اسلام و علیکم

جیسا کہ سب جانتے ہیں آج کل الحاد، دہر کے فتنے نے بہت زور پکڑا ہے۔ خاص کر فیس بک پر بہت سے کم عقل کم علم لوگ دیکھنے کو مل رہے ہیں جنکو اسلام کا کوئی خاص علم نہیں ناہی انکو سائنس کا کوئی علم ہے۔ بس اپنے محدود علم کے مطابق یہ لوگ صرف ایک ہی کام میں لگے ہوئے ہیں اور وہ کام ہے اسلام پہ عتراضات کرنا جعلی آڈی زبنا کر یہ لوگ ایسے کام کر رہے ہیں جیسے انکو اس کام کے کوئی اجرت دے رہا ہو۔ انہوں نے صرف بخاری شریف اور چند دیگر احادیث کی کتب لے رکھی ہیں اور یہ سارا دن انمیں سے دیکھ دیکھ کر کوئی ایسی روایات پیش کرتے ہیں جنکے بارے میں یہ اپنے کم عقل دماغ سے کوئی اعتراض کر سکیں اسکو توڑ مروڑ کر کم علم مسلمانوں کو گمراہ کر سکیں انکیں دلوں میں وسوسہ ڈال سکیں۔ اور یہ کائنات اور اللہ کے وجود کے بارے میں طرح طرح کے سوالات اٹھا کر عوام کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان کے رد میں بہت سے مسلمان بھائیوں بہنوں نے بیشار کالم لکھیں ہیں۔ جن میں سے بیشتر کو میں نے اس کتاب میں درج کیا ہے۔ اس کتاب میں میری طرف سے کچھ نہیں ہے۔ یہ میں نے اپنے مسلمان بھایئوں کا علم مختلف پلیٹ فارم سے اکھٹا کر کے اسے ایک کتاب کی شکل ترتیب دی ہے جس کو پڑنے کے بعد میں یقن سے کہہ سکتا ہوں کہ ایک عام مسلمان کے دل و دماغ میں جتنے بھی

شبہات پیدا ہو چکیں ہیں وہ سب دور ہو جاینگے۔ اور اگر کوئی ملحد واقی میں حق کی تلاش میں ہے تو مجھے امید ہے اسکو بھی اپنے ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔ اللہ سب مسلمانوں کو اس فتنے سے بچائے اور ان منکروں کو ھدایت دے۔ آمین

وقت کی قلعت کی وجہ سے میں نے فہرست ترتیب نہیں دی۔ کتاب میں اگر کوئی غلطی نظر آئے تو مجھے ضرور آگاہ کریں۔

عمر ثبات:

FB.COM/Umar.Subaat

دہریہ کسے کہتے ہیں؟ کیا ملحد اور دہریہ ایک ہی ہے؟

دہریہ دہر سے ہے اور دہر کے معنی زمانہ ہے یعنی جو اس زمانے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہو وہ دہریہ ہے یہاں یہ بات بھی

یاد رہے کہ بعض لوگ اس زمانے کو خواہش نفس کی وجہ سے سب کچھ سمجھ لیتے ہیں جن کے لئے قرآن نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں تو یہ دہریے نہیں بلکہ جو نظریہ یا عقیدہ کی وجہ سے ہی اس زمانہ کو ابتداء اور اختتام سمجھ لے کہ یہ نظام خود ہی چل رہا ہے پس وہ خدا کا بھی لازمی انکار کر دے گا انہیں جیسوں سے مناظرہ کی ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کشتی کی مثال دینے والی روایت آتی ہے ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں

اسکے مقابلے میں ملحد الحاد سے ماخوذ ہے جس کے معنی حق سے منحرف ہونے والا اور سیدھے راستے سے ہٹ کر دوسرے کی طرف مائل ہونے والا - اسی سے لحد بھی ہوتی ہے جو قبر میں بغلی سوراخ کو کہتے ہیں جو ایک طرف مائل ہوتی ہے یعنی اصل جگہ سے دوسری طرف ہٹا ہوا ہونا

اب ویسے تو اس میں تمام قسم کے کفر آسکتے ہیں البتہ عموما یہ دیکھا گیا ہے کہ اسکا زیادہ تر اطلاق سیدھے راستے میں تاویلیں کر کے ہٹے ہوئے لوگوں کو پر کیا جاتا ہے جو اپنے نظریات کے لئے قرآن و حدیث میں تاویلیں کر کے کجی نکالتے ہیں

مثلا صلوۃ کا معنی اور ربا کا معنی میں تبدیلی کرنا وغیرہ بھی شامل ہو سکتا ہے

قرآن میں یلحدون کا لفظ کی تفسیر ابن کثیر میں وضاحت ایسے ہے

قوله تبارك وتعالى: {إن الذين يلحدون في آياتنا} قال ابن عباس: الإلحاد وضع الكلام على غير مواضعه، وقال قتادة: هو الكفر والعناد،

اضواء البیان میں ایسے ہے

وأصل الإلحاد في اللغة: الميل، ومنه اللحد في القبر، ومعنى إلحادهم في أسمائه هو ما كاشتقاقهم اسم اللات من اسم الله، واسم

العزى من اسم العزيز، واسم مناة من المنان، ونحو ذلک. والعرب تقول لحد وألحد بمعنى واحد، وعليهما القراء تان يلحدون بفتح الياء والحاء من الأول، وبضمها وكسر الحاء من الثاني

انٹرنیٹ کے ذریعے اسلامی دنیا میں الحاد کی یلغار

شروع ہی سے مذہب کے ساتھ الحاد بھی تمام معاشروں میں رہا ہے لیکن یہ تاریخ میں کبھی بھی قوت نہ پکڑ سکا۔ دنیا بھر میں یا تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین 'ایک اللہ کو رب ماننے والے غالب رہے یا پھر شرک کا غلبہ رہا۔ چند مشہور فلسفیوں اور ان کے معتقدین کو چھوڑ کر تاریخ میں انسانوں کی اکثریت ایک یا کئی خداؤں کے وجود کی بہر حال قائل رہی ہے۔ پہلے زمانے میں مذہب کے مقابلے میں الحاد و دہریت کا پھیلاؤ اس لیے بھی کم رہا کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ کیا کرتے تھے، جب کہ ملحد الحاد کے کبھی داعی نہیں رہے۔ لیکن انیسویں صدی میں جب چارلس ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو قبولِ عام حاصل ہوا تو گویا الحاد نے ایک مذہب کی صورت اختیار کرلی، جس کا پیغمبر ڈارون تھا اور اس کا نظریہ اس مذہب کا دیباچہ۔ بس کیا تھا، اس صدی میں لاکھوں لوگ جن میں اکثریت تعلیم یافتہ افراد کی تھی، مذہب سے بیگانہ ہو کر ملحد ہو گئے۔ پھر ان افراد نے نظریہ ارتقاء کی باقاعدہ تبلیغ کرنا شروع کردی اور اس کے اثرات عالمگیر سطح پر پڑے۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء میں الحاد کے نظریاتی اور فلسفیانہ پہلو اہم تھے جس نے خصوصاً الہامی ادیان کے بنیادی عقائد یعنی وجود باری تعالیٰ، رسالت اور عقیدہ آخرت پر حملہ کیا۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فکری اور نظریاتی میدان میں الحاد اسلام کے مقابلے میں کلیتاً ناکام رہا البتہ عیسائیت کے مقابلے میں اسے جزوی فتح حاصل ہوئی.... لیکن سیاسی، معاشی اور معاشرتی میدانوں میں الحاد کو مغربی اور مسلم دنیا میں بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ سیاسی میدان میں الحاد کی سب سے بڑی کامیابی سیکولرازم کا فروغ ہے۔ پوری مغربی دنیا اور مسلم دنیا کے بڑے حصے نے سیکولرازم کو اختیار کرلیا ہے۔ سیکولرازم کا مطلب ہی یہ ہے کہ مذہب کو مسجد تک محدود کردیا

جائے اور کاروبار زندگی کو خالصتاً انسانی عقل کی بنیاد پر چلایا جائے جس میں مذہبی تعلیمات کا کوئی حصہ نہ ہو۔ مغربی دنیا نے تو سیکولرازم کو پوری طرح قبول کر لیا اور اب اس کی حیثیت ان کے ہاں ایک مسلمہ نظریہ کی ہے۔ انہوں نے اپنے مذہب کو گرجے کے اندر محدود کر کے کاروبار حیات کو مکمل طور پر سیکولر کر لیا ہے۔ ان کی اتباع میں مسلمانوں کی اشرافیہ بھی الحاد کے اثرات کو قبول کرنے لگی، اور آخر کار بہت سے اسلامی ممالک نے سیکولرازم کو بطور نظامِ حکومت کے قبول کر لیا۔ بعض ممالک جیسے ترکی اور تیونس نے تو اسے کھلم کھلا اپنانے کا اعلان کیا لیکن مسلم ممالک کی اکثریت نے سیکولرازم اور اسلام کا ایک ملغوبہ تیار کرنے کی کوشش کی جس میں بالعموم غالب عنصر سیکولرازم کا ہی رہا۔

اسی طرح معاشی میدان میں کارل مارکس کی اشتراکیت یا کمیونزم وہ نظریہ تھا، جس نے الحاد کے ڈھانچے میں نئی جان ڈال دی۔ مارکس اور اس کا ساتھی فریڈرک اینجلز، جو بہت بڑا ملحد فلسفی تھا، کے مشترکہ نظریے نے کمیونسٹ انقلاب برپا کیا، جس نے یکلخت ملحدوں کی تعداد لاکھوں کے ہندسے سے نکال کر کروڑوں تک پہنچا دی۔ لیکن اس زبردست کامیابی کے بعد بھی الحاد کا زور ابھی تک مخصوص خطوں میں تھا۔ کچھ یورپی ممالک جہاں نظریہ ارتقاء بہت مقبول ہوا، اور روس و چین جہاں کمیونزم کی وجہ سے دہریت پھیلی، باقی متمدن دنیا میں اور خصوصاً مسلم دنیا میں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر رہے۔ لیکن پھر کمپیوٹر ایجاد ہوا اور اس کے بعد نوے کی دہائی میں انٹرنیٹ کی ایجاد سے تو ملحدوں کو عالمی سطح پر الحاد کی ترویج کے لیے ایک وسیع اور تیز ترین پلیٹ فارم مہیا ہو گیا۔ اس سائبر میڈیا کی بدولت ملحدین کو صرف بیس سالوں میں وہ کامیابی ملی جو وہ پچھلی ایک صدی میں حاصل نہ کر سکے تھے، یعنی ادیان کے خلاف ایک عالمگیر اور ہمہ گیر جدوجہد.... اور اس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے، آج الحاد کے دنیا بھر میں پھیلاوٗ کا یہ حال ہے کہ 11 دسمبر 2012 کی ایک تازہ ترین رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں الحاد کے اثرات ہر شعبے فلسفے، سیاست، معیشت ، معاشرت اور اخلاق میں تیزی سے نمایاں ہو رہے ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق دنیا میں مسیحیوں اور مسلمانوں کے

بعد تیسرا بڑا گروہ ملحدین افراد پر مشتمل ہے جبکہ ہندو چوتھے نمبر پر ہیں۔ اس رپورٹ میں تعداد کے اعتبار سے 2 ارب 20 کروڑ کے ساتھ مسیحیت سب سے بڑا مذہب ہے۔ مسلمانوں کی آبادی ایک ارب 60 کروڑ ہے جن میں سے بیشتر سنی مسلم ہیں جبکہ 10 سے 13 فیصد شیعہ ہیں۔ ملحدین کی تعداد ایک ارب 10 کروڑ ہے، جن میں سے 70 کروڑ صرف چین میں رہتے ہیں' جو چین کی آبادی کا 52.2 فیصد ہیں جبکہ دوسرے نمبر پر جاپان ہے جہاں مذہب بیزار افراد کی تعداد 7 کروڑ 20 لاکھ ہے۔ امریکہ میں ان افراد کی تعداد 5 کروڑ 10 لاکھ بنتی ہے۔ اس تحقیق کا عنوان 'گلوبل ریلیجیس لینڈ اسکیپ ہے، جس کے نتائج واشنگٹن میں قائم ایک فورم آن ریلیجن اینڈ پبلک لائف نے جاری کیے۔

ایک عرب اخبار کے مطابق ملحدین نے الحاد کی تبلیغ کے لیے دنیا کے مختلف زونز میں عموماًاور مسلم دنیا کے لیے خصوصی انٹرنیٹ گروپس تشکیل دیے ہیں۔ انٹرنیٹ پر اس قسم کی الحادی فکر رکھنے والے 39 گروپس ہیں، جن میں سے اکثر کا تعلق "فیس بک" سے ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق باقاعدہ طور پر پاکستانی نیٹ کی دنیا میں ملحدوں نے 2008ء کے اوائل میں اپنے قدم جمائے اور آہستہ آہستہ اپنا دائرہ عمل بڑھاتے چلے گئے۔ پہلے پہل انہوں نے بلاگ (Blog) بنائے، جو انٹرنیٹ پر آزادی اظہار کا سب سے موثر طریقہ ہے۔ لفظ "بلاگ " ویب لاگ (Web Log) سے بنا ہے اور یہ ایک طرح کی آن لائن ڈائری ہے۔ اس نے باقاعدہ عوامی مقبولیت تب حاصل کی جب اگست 1999ء میں پائرالیبس نامی ایک امریکی ادارے نے پہلی مفت بلاگنگ سروس شروع کی اور اس کا نام بلاگر رکھا۔ پھر رفتہ رفتہ دنیا بھر میں بلاگنگ کے تصور نے آزادی اظہار کے لیے لوگوں کو انٹرنیٹ پر گویا ایک ہائیڈ پارک دے دیا۔

آپ اس نقطہ نظر سے صرف پاکستان کی بلاگنگ دنیا میں جھانک لیں، جہاں بلاگنگ انتہائی تیزی سے ترقی کر رہی ہے اور ایک حالیہ سروے کے مطابق پاکستان میں اس وقت ہزاروں افراد بلاگنگ کر رہے ہیں۔ یہاں کی بلاگنگ دنیا میں شعائر اسلام کا مضحکہ اڑانا یا کم از کم ان کے بارے میں شکوک پھیلانا کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ انگلش بلاگنگ تو خیر سیکولرازم کی تبلیغ کے لیے وقف ہے ہی، اردو بلاگنگ کی دنیا میں بھی کئی بلاگر ایسے ہیں جن کی تحریریں توہینِ اسلام

کے زمرے میں آتی ہیں۔ بے شک انگریزی اور اردو بلاگنگ میں یہ فرق ضرور ہے کہ اردو بلاگنگ کی دنیا میں ایسے کئی بلاگر موجود ہیں جو گستاخانہ مواد شایع کرنے والوں کی سخت گرفت کرتے ہیں، لیکن بہرحال یہ زہریلا مواد بدستور نیٹ پر نہ صرف موجود ہے بلکہ اپنے متنازعہ مواد کی وجہ سے بہت زیادہ ریٹنگ بھی پاجاتا ہے اور اللہ اپنی پناہ میں رکھے، اس مواد کو سراہنے والے اور بلاگر کی پیٹھ تھپکنے والے بھی کئی مل جاتے ہیں۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ پاکستان کی نیٹ دنیا میں اکثر اسلام کے مسلمہ اصول وارکان کے خلاف شکوک وشبہات پھیلانے والے وہ ہیں، جن کے نام بدستور مسلمانوں والے ہیں، اور وہ کھلے عام کفریہ باتیں کر کے اور ہر طرح کی گستاخی کر کے بھی اپنے کفر کا کھل کر اقرار نہیں کرتے۔ ان کی یہی رٹ ہوتی ہے کہ ہم مسلمان ہیں، بلکہ اصل مسلمان ہیں۔ یاللعجب! اللہ کی شان میں گستاخی، اس کے کلام پر اعتراضات کی بھرمار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کا مضحکہ اڑا کر اور جنت دوزخ اور دوسرے مغیبات کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلا کر بھی یہ لوگ مسلمان ہیں تو پتہ نہیں کفر اور کیا ہوتا ہے! یہی لوگ سیدھے سادھے نوجوانوں کے ایمان پر ڈاکا ڈالنے میں سب سے زیادہ کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک بیرون ملک مقیم پاکستانی ملحد بلاگر محمد علی مکی تو شیطان کی طرح مشہور ہے۔ اس نے ہمارے خیال میں پاکستان کی نیٹ دنیا کو سب سے زیادہ اپنے گستاخانہ اور ملحدانہ خیالات سے نجس کیا۔ یہ زندیق جو بزعم خود عربی جانتا ہے، اپنی عربی اور انگریزی دانی کے غرور میں بے دریغ اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراض، اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور پیارے نبی کی شان میں گستاخی کرتا چلا جاتا ہے (نعوذ باللہ)۔ شدید احتجاج کے بعد جب اردو محفل سے اس کی زہریلی تحریریں ہٹائی گئیں تو اس نے "حقیقی اپروچ" کے نام سے اپنی ویب سائٹ بنالی اور وہاں "ناستک" کے نام سے اپنے نظریات کا پرچار کرنے لگا۔ مکی کے علاوہ اور بھی نام ہیں لیکن میں خاص طور پر ایک اور بدنصیب شخص طارق احمد صدیقی کا ذکر کرنا چاہوں گا جو پہلے ایک مذہبی تحریک کے سرگرم رکن اور ایک دینی رسالے کا مدیر بھی رہے، لیکن نہ جانے کس عمل کی نحوست کی وجہ سے یقین کی وادی سے نکل کر شکوک کے گڑھوں میں جا گرے۔ اور اب نیٹ پر تشکیک کے

علمبردار ہیں، ان کی دعوت ہے کہ ہر چیز پر شک کرو کہ یہی انسانیت کی معراج ہے۔ اسی شک نے انہیں جنت، دوزخ، قرآنی آیات اور صحیح احادیث ہر چیز کو اپنی عقل کے مطابق جانچنے کی راہ دکھائی، اور اب یہ "درایت" کے نام سے ایک پرچہ اور ویب سائٹ کے ذریعے الحاد کی ترویج میں مصروف ہیں۔ یہ کم علم نوجوانوں کے ذہنوں پر ملاحدہ کے صدیوں پرانے سوالات (جن کے شافی جوابات صدیوں پہلے ہی دیے جا چکے) کی بھرمار کرتے ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب اسلام کے نام پر ہوتا ہے۔

کچھ عرصے کے بعد پاکستانی ملحدین نے بلاگنگ سے ایک قدم آگے بڑھا کر اور انفرادی طور پر کام کرنے کی بجائے متحد ہو کر پاکستان کے یومِ آزادی 14 اگست 2011ء کو ایک ویب سائٹ PAA کے نام سے لانچ کی (PAA مخفف ہے 'Pakistani Atheists and Agnostics group' کا)۔ انتہائی صدمے اور افسوس کی بات ہے کہ ایمان سوز عزائم لیے یہ ویب سائٹ بے حد مقبول ہوئی، جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے لانچ ہونے کے اگلے 48 گھنٹوں میں 95 ممالک سے 17000 افراد نے اس کو دیکھا، پسند کیا، اور اس میں اکثریت مسلمان ناموں کی رہی۔ وہ جو مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے لیکن اب ملحد ہیں اور اپنے کو 'closet atheist' یعنی چھپا ہوا ملحد کہتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں مسلم معاشرے میں الحاد کا اعلان کرنے میں اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے، ورنہ ہماری تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور زیادہ عبرت کی بات ہے کہ نیٹ ٹریفک کے اعداد و شمار کے اعتبار سے اس ویب سائٹ پر پچانوے ممالک میں سے سب سے زیادہ وزیٹر ز پاکستان، سعودی عرب اور امریکا کے تھے۔ صرف دو دن میں پاکستانی ملحدین کو اس ویب سائٹ کے ذریعے پانچ سو ممبر مل گئے۔ ساری دنیا کے ملحدین نے پاکستانی ملحدین کی اس موقع پر ہمت بندھائی اور کہا کہ تم اکیلے نہیں ہو، ہم تمہارے ساتھ ہیں!

اسی سال 2011ء کے اواخر میں پاکستانی ملحدین کے سب سے سرگرم رکن 'حضرت ناخدا' جس کا تعلق لاہور سے ہے، نے مشہور سوشل سائٹ 'فیس بک' پر ایک گروپ "پاکستانی ملحدین (Pakistani Atheists)" کے نام سے

بنایا۔ پاکستانی "فیس بکیوں" کے لیے یہ بات شاید بہت نرالی تھی، اس لیے تجسس کے لیے ہی سہی انہوں نے اس فورم پر "ہلا" بول دیا اور یوں بغیر کسی محنت کے ان لوگوں کا مقصد پورا ہو گیا اور ابتدائی مہینوں میں ہی اس گروپ کے آٹھ سو ممبر ہو گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ ان ممبران میں ننانوے فیصد نوجوان تھے، جن کی عمریں 16 سے 32 سال کے درمیان تھیں اور ان کی بڑی تعداد کا تعلق کراچی، لاہور اور اسلام آباد سے تھا۔

ہم حیران و پریشان ہیں کہ کس کا ناپاک ذکر کریں، کس کا نہ کریں؟ مکی کے علاوہ "ملا ملحد"، "کافر حقانی"، "حضرت ناخدا" اور نہ جانے کتنے ایسے کم بخت ملحد ہیں، جو مختلف آئی ڈی سے اردو زبان میں اللہ جل شانہ اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کائنات کی بدترین گستاخی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ نیٹ کے محفوظ قلعے میں بیٹھ کر، اپنی شناخت چھپا کر الحاد و زندقہ پھیلا رہے ہیں، سادہ لوح اور کم علم نوجوانوں کے ایمان پر شبِ خون مار رہے ہیں۔ اور یہ سب کہاں ہو رہا ہے، اس پاکستان میں جسے ہم اسلام کا قلعہ کہتے نہیں تھکتے۔ یہاں 2009ء سے یہ کام بڑی خاموشی کے ساتھ ہو رہا ہے، اور کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف توہین آمیز فلم اور دوسرا وہ مواد جس پر پوری دنیامیں اور خصوصاً پاکستان میں بھونچال کھڑا ہو گیا تھا، ہم نے اور بیشتر مسلمانوں نے نہیں دیکھا اور اللہ اسے دیکھنے سے سب کی حفاظت فرمائے لیکن وہ سارا مواد جو ہم نے پچھلے ایک سال میں پاکستانی سائٹس پر دیکھا اور جو خاص اس آرٹیکل کے لیے دیکھنا پڑا، اس کو دیکھ کر ہم بالیقین کہ سکتے ہیں کہ خدا اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی توہین پاکستان کی نیٹ دنیامیں ہو رہی ہے اور خاص اردو زبان میں ہو رہی ہے، وہ شاید مغرب میں بھی نہیں ہوئی۔ بنگلہ دیش کے بنگالی بھائیوں کو سلام ہے کہ انہوں نے چند بلاگرز کے بلاگز پر فوراً ردعمل ظاہر کیا اور بھرپور احتجاج کیا۔ جب کہ ہم بدستور اپنے روز مرہ میں گم ہیں۔ [ہمارا موضوع یہاں نیٹ ہے، کیوں کہ نیٹ کے ذریعے اپنے نظریات کی تبلیغ بہت محفوظ ہے، لیکن پاکستان میں اب ملحدین کی ہمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ انہوں نے فلم، ٹی وی اور پرنٹ میڈیامیں بھی ڈھکے چھپے انداز میں اسلامی احکام اور ارکان کے خلاف شکوک پھیلانے شروع کر دیے

ہیں، جس کی واضح مثال پچھلے تین سالوں میں تواتر کے ساتھ ریلیز ہونے والی تین پاکستانی فلمیں "بول"، "خدا کے لیے" اور "رام چند پاکستانی" ہیں، جن میں جی کھول کر اسلامی شعائر اور احکامات کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ [

یہ تو پاکستان کا حال ہے، نہایت عبرت انگیز بات یہ ہے کہ عرب جہاں سے اسلام کا نور ساری دنیا میں پھیلا، وہ بھی انٹرنیٹ کے ذریعے ملحدین کے خاص ٹارگٹ پر ہے اور وہ اپنے اہداف تیزی سے حاصل بھی کر رہے ہیں۔ اور اس کام کے لیے انہیں عربوں میں سے ہی اپنے مطلب کے لوگ مل گئے ہیں جنہوں نے اپنی بد بختی کی وجہ سے اس الحاد کی دعوت پر لبیک کہا اور پھر الحاد پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔ فیس بک پر آپ کو ان کا فورم بھی ملے گا جسے "عرب ملحدین فورم" کا نام دیا گیا ہے۔ اس الحادی فورم میں اب تک سینکڑوں افراد شمولیت اختیار کر چکے ہیں۔ ملحدوں کی اس سائٹ پر الحادی فکر کے حامل ہر عرب کو اس بات کا موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ملحدانہ افکار کا بے باکانہ اظہار کرے۔ عرب ملحدین گروپ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کا کہنا ہے کہ "میں ان دماغوں کو (zezoe Ami) مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا جو غور و فکر سے قاصر ہیں یہ ایسے پتھر جیسے دماغ ہیں جو سائنس کی گولیوں سے مقابلہ پر آمادہ ہیں، ان دماغوں کو ہر وقت آسمان سے کسی بات کے آنے کا انتظار رہتا ہے (نعوذ باللہ)۔"

ایک بات انتہائی قابل توجہ ہے کہ ویسے تو ملحدین کے مناظرے اور بحثیں ہر مذہب کے لوگوں سے ہوتے ہیں، لیکن سچا دین 'دینِ اسلام ان کا خاص ہدف ہے، اسلام کا تمسخر تمام ملحد گروپوں کا مشترکہ مقصد ہے، جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ وہ اپنا اصل حریف اسلام کو ہی سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیشتر مناقشے اسلام کے تعلق سے ہوتے ہیں۔ اب تک انٹرنیٹ پر اس قسم کے قریب ساڑھے چار سو مناظرے ہو چکے ہیں، جن میں جنت، دوزخ کا تخیل، قرآن بحیثیت الٰہی کلام اور رسالت جیسے موضوعات زیر بحث لائے گئے۔ ان بحثوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر ایسی نازیبا تنقیدیں کی گئیں کہ انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مصر کے ملحدین نے تو اتنی جرات کر ڈالی کہ قرآن کی طرز پر چند آیات بھی بنائیں، جنہیں " قرآن رابسو" کا نام دیا گیا معاذ اللہ۔

تمام ملحدین کا باقاعدہ لٹریچر بھی انٹرنیٹ پر موجود ہے، جس میں نظریہ ارتقاء کے علاوہ جان کوز کی ایک کتاب بھی ہے جس کا نام "ملحدین کی مقدس کتاب" ہے۔ اس کے علاوہ وہ مرتدین جو اسلام چھوڑ کر ملحد ہوئے، ان کے کچھ خاص آئیڈیل بھی ہیں۔ آئیڈیل ان معنوں میں کہ یہ ان لوگوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ پاک وہند کے ملحد (سابقہ مسلمان) اسلامی تاریخ میں سے خصوصی طور پر دورِ جاہلیت کے شاعر امیہ بن ابی الصلت (اس کے بارے میں ملحدین کا دعویٰ ہے کہ قرآن نعوذ باللہ اس کلام کی نقل ہے) اور چھٹی صدی ہجری کے مشہور فلسفی اور متکلم ابنِ رشد، ماضی قریب کے سر سید احمد خان، نیاز فتح پوری اور موجودہ زمانے کے پاکستانی مفکر جاوید غامدی، مشہور سیکولر تاریخ دان پروفیسر مبارک علی اور مصری ملحد ادیب طٰہٰ حسین کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ خصوصاً عرب ملحدین اسلام کے رد کے لیے امیہ بن ابی الصلت کے کلام اور طٰہٰ حسین کی کتاب "فی الشعر الجاہلی" کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، جس میں اس نے اسلام اور عربوں کی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا ہے۔

لٹریچر کے علاوہ انٹرنیٹ پر ملحدین کا ایک ویڈیو چینل بھی ہے۔ اس الحادی چینل کا نام Channel Chakooni ہے جس کا آغاز 2006ء میں ہوا۔ اس چینل سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد 80000 تک پہنچ چکی ہے۔ اس چینل پر اظہار خیال کرنے والے بیشتر افراد کا کہنا ہے کہ مذاہب کی کوئی حقیقت نہیں، یہ خیالی داستانیں ہیں۔ الحادی گروپوں میں سے ایک گروپ کا نام یوں ہے "مجھے ملحد ہونے پر فخر ہے" اس گروپ کے 27000 ارکان ہیں۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ دنیا بھر کے علمی اداروں اور یونیورسٹیوں پر ان کا تسلط ہے۔

الحاد دراصل ہر گناہ کی چابی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ یقین کر لے کہ اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے، موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے جہاں اسے اپنے کیے کا حساب دینا ہو گا تو پھر حکومت کے قوانین کے سوا کوئی چیز دنیا میں اسے کسی برائی کو اختیار کرنے سے نہیں روک سکتی۔ اور جب الحاد غالب آئے گا تو پھر حکومت کے قوانین بھی صرف انسانوں کو ایک دوسرے کی آزادی میں مخل ہونے سے روکنے کے لیے ہوں گے۔ یوں پھر زندگی کا مقصد اس دنیا میں زیادہ

سے زیادہ لذت کوشی ہی رہ جائے گی۔ پھر مادر پدر معاشرتی آزادی ایک انسان کو برہنہ پھرنے کا حق دے گی اور انسان کو جانوروں کی سطح پر آنے میں کوئی چیز مانع نہ رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ملحدین انٹرنیٹ پر یہ دعویٰ کرتے پھرتے ہیں کہ مسلمان آج جن مشکلات سے دوچار ہیں، وہ دراصل جنسی خواہش کو دبائے رکھنے اور مرد و عورت کے درمیان تفریق و امتیاز کے نتیجے کی وجہ سے ہے۔

اسلام چھوڑ کر الحاد اختیار کرنے والے ملحدین کے حوالے سے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ماضی قریب میں ان بدبخت مرتدین میں مردوں کا تناسب عورتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا، لیکن ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق ماضی کے مقابلے میں آج عالم اسلام میں رفتہ رفتہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی الحاد کے اثرات قبول کر رہی ہیں۔ اس ضمن میں مسلم دنیا کے ملحد ینئے یہطریقہ ٔ واردات اختیار کیا کہ انہوں نے نیٹ پر ایسی تعلیم یافتہ مسلمان عورتوں کو جو آزاد خیال اور دین سے بیگانہ ہوتی تھیں، خصوصی طور پر اپنی دعوتِ الحاد کا نشانہ بنایا اور اسلام میں خواتین کی عصمت کی حفاظت اور ان کے اعزاز و اکرام کے لیے جتنے خصوصی احکامات ہیں (مثلاً پردہ، عورت کے لیے چار دیواری کی اہمیت وغیرہ)، انہی احکامات کو شدید تنقید کا نشانہ بنا کر اور انہیں اپنی مرضی کا معنی پہنا کر ان کی ذہن سازی کی اور بالآخر انہیں ملحد بنا کر چھوڑا۔ یوں اسلامی دنیا میں مردوں کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ عورتیں بھی، اسلام کے جداگانہ صنفی احکامات (جو فطرت کے قریب انتہائی خوبصورت احکامات ہیں) کو بنیاد بنا کر خدا کے وجود سے انکار کرنے لگیں، پھر اس کا لازمی نتیجہ خاندانی نظام کا خاتمہ اور فری سیکس کا فروغ نکلا۔ کیوں کہ جنسی زندگی سے متعلق آداب انسان کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ہی کے واسطے سے بتلائے ہیں۔ اور جب ایک مرد یا عورت خدا اور انبیاء کا انکار کر دے تو پھر اس کی راہ میں ایسی کون سی رکاوٹ ہے جو اسے دنیا کی کسی بھی عورت یا مرد سے آزادانہ صنفی تعلقات سے روک سکے اور جب حیات بعد الموت اور محاسبہ کا یقین اٹھ جائے تو پھر انسان اسی دنیاوی زندگی کو لذت کا جہان بنانے کے لیے نئے نئے راستے کیوں نہ نکالے؟ پھر تو ہم جنس پرستی کا طوفان بھی اٹھے گا اور اس سے آگے بڑھ کر محرم

خواتین کا تقدس بھی پامال کیا جائے گا(انتہائی لرزہ خیز اور شرمناک خبر یہ ہے کہ ایک یورپی بائیس سالہ Atheist ملحد)نوجوان نے اپنی گرینڈ مدر (دادی) سے قانونی شادی کی اور اب ان دونوں کی اولاد بھی ہے)۔)

بات کو سمیٹتے ہوئے ہم آخر میں یہ کہیں گے کہ یوں تو ٹی وی وغیرہ کے مقابلے میں انٹرنیٹ کی شرعی حیثیت شروع سے جواز کی رہی ہے، لیکن مندرجہ بالا عبرت انگیز حالات کی بناپر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انٹرنیٹ کے منفی پہلو، اس کے مثبت پہلو سے کئی گنا بڑھ کر سامنے آرہے ہیں۔ خصوصاًان نوجوانوں کے لیے یہ بے حد خطرناک ہیں، جن کے ذہن سادہ سلیٹ ہوتے ہیں اور جن پر کوئی بھی اپنے نظریات کی تحریر لکھ سکتا ہے، وہ تحریر جو اکثر اَن مٹ ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے نوجوانوں کو نیٹ استعمال کرنے کی کھلی آزادی دینے کی بجائے ان کی نگرانی بہت ضروری ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ایک مسلمان الحاد کی گھاٹیوں میں تب ہی اترتا ہے، جب اسے شکوک وشبہات اور وسوسے گھیر لیتے ہیں، اور وہ کسی سے اس کا جواب نہیں پاتے یا پھر اپنی عقل پر بھروسہ انہیں کسی سے کچھ پوچھنے نہیں دیتا، یوں اندر ہی اندر شیطانی وسوسے بالآخر خدا کے انکار کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس حوالے سے یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ وسوسے ہر ایک کو آتے ہیں، اس لیے کبھی کوئی نوجوان اپنے وسوسے کا اظہار کرے تو اسے سختی سے جھٹلانے کی بجائے بڑی حکمت عملی سے اس کا ذہن تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی بے کار ہے تو اسے مصروف کر دینا چاہیے کہ خالی گھر میں شیطان ڈیرہ ڈال ہی لیتے ہیں۔ اگر کوئی بہت بری طرح وسوسوں کا شکار ہو، تو کسی بڑے عالم دین کے پاس لے کر جانا چاہیے، کیوں کہ کبھی براہِ راست جواب کی بجائے ایسے شک کے مریضوں کا علاج صرف الزامی جوابات سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے خیال میں ہر شبہ، ہر شک کا حل محبت ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت پیدا کرنے کے لیے، اللہ والوں کی صحبت بہت ضروری ہے۔ انسانوں کی نفسیات یہی ہے کہ جب ان میں محبت پیدا ہوتی ہے تو پھر ان کے سارے شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں، اور محبت کا مرکز عقل نہیں، وجدان ہے۔ نری عقل کے ذریعے محبت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، عقل محبت کے فلسفے اور راز کو نہیں سمجھ

سکتی۔ اس کے لیے وجدانی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر وجدان خود گواہی دیتا ہے کہ ربّ کائنات بندے کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اسی وجدان کو بیدار کرنے کے لیے اللہ والوں کی صحبت از حد ضروری ہے، اور اللہ والے ملتے ہیں دینی مراکز میں، مدارس، خانقاہوں میں اور اللہ کے راستے میں۔

ان سطور کے ذریعے ہم اربابِ اختیار سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک کمیٹی بنائی جائے، جو ایسی تمام الحاد کی مبلغ ویب سائٹس اور بلاگرز کی فہرست بنا کر حکومت کو پیش کرے، تاکہ ان تمام ویب سائٹس پر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مکمل پابندی لگائی جائے، خصوصاً یوٹیوب کی طرح فیس بک پر تو مستقل پابندی لگائی جائے۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو مسلمانانِ پاکستان کو بنگلہ دیش کی طرح بھرپور احتجاج کر کے حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ یہ ایمان و کفر کا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام فتنوں سے ساری امت مسلمہ کی حفاظت اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے، آمین۔

!خدا کو کس نے پیدا کیا؟ ایک بچگانہ سوال

!خدا کو کس نے پیدا کیا؟ ایک بچگانہ سوال

پہلی بات تو یہ ہے کہ سوال بذات خود اپنے اندر استحالہ عقلی لیئے ہوئے ہے اور اپنی تردید آپ Self Destruction کا ایک مظہر ہے۔ وہ یوں کہ اس طرح کا سوال تو خدا کے بارے میں کیا جارہا ہے۔ لیکن خدا کی اصل صفت کہ وہ خالق اول ہے اور اس کا کوئی خالق نہیں ہو سکتا۔ اس میں سے ہٹا دی گئی۔ اب ظاہر ہے کہ یہ سوال کہ خدا کو کس نے پیدا کیا۔ خدا کے بارے میں نہیں، خالق اول اور علت اولی کے بارے میں نہیں بلکہ غیر خدا، غیر خالق اول یا مخلوق کے بارے میں کیا جارہا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر استحالہ عقل ہے کہ خدا بھی ہو اور مخلوق بھی خالق بھی ہو اور اسے کسی نے پیدا بھی کیا ہو۔ یہ جملہ کہ "خدا کو کس نے پیدا کیا"، اپنے اندر خود اپنی تردید لییئے ہوئے ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ میں کسی سیف براق کپڑے کی طرف اشارہ کر کے یہ کہوں۔" یہ سیاہ رنگ کا کپڑا کتنا خوبصورت ہے۔ یہ سیاہ رنگ کہاں سے کروایا؟

سننے والا یہی کہے گا کہ میاں اپنی نظر ٹھیک کراوؤ، یہ کپڑا سیاہ نہیں بلکہ سفید ہے سیاہی کی صفت اس سفید و براق کپڑے میں تم نے خواہ مخواہ شامل کر دی ہے۔ اور اس کی اصل صفت کہ وہ سفید ہے، تم نے ہٹا دی ہے۔ غالباً تم اس کپڑے کی نہیں، کسی اور کپڑے کی بات کر رہے ہو۔

یا اس کی مثال یُوں ہے کہ میں کتابوں کی دکان پر جا کر کتابوں کی طرف اشارہ کر کے یہ پوچھوں کہ " یہ کوئلے کیا بھاؤ "ہیں۔

اب ظاہر ہے میں نے کتاب پن کی صفت ہٹا کر " کوئلہ پن " کی صفت شامل کر دی ہے اور میرا سوال اپنی جگہ پر بے محل ہے کیونکہ ایک ہی چیز بیک وقت کتاب اور کوئلہ نہیں ہو سکتی۔

بالکل اسی طرح ایک ہی ہستی بیک وقت خدا اور مخلوق نہیں ہو سکتی۔ خدا کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ 'اسے کس نے پیدا کیا۔ خدا میں سے خالق اول کی صفت ہٹا کر۔ اسے مخلوق قرار دینے کے مترادف ہے۔ اب یہ سوال کہ " خدا کو کس نے پیدا کیا خدا کے بارے میں نہیں بلکہ فی الحقیقت مخلوق کے بارے میں کیا جا رہا ہے۔

اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے۔ کہ آپ اپنی میز پر ایک کتاب رکھتے ہیں اور اس کے بعد کمرے سے باہر چلے جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کمرے میں لوٹ کے آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کتاب میز پر موجود نہں ہے۔ بلکہ میز کی دراز میں رکھی ہوئی ہے۔ آپ کو لازماً یہ یقین آجائے گا کہ اس کمرے میں ضرور کوئی شخص آیا جس نے کتاب کو میز سے اُٹھا کر دراز میں رکھ دی اہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپ جانتے ہیں کہ کتاب کی صفت ہے کہ وہ اپنی جگہ سے خود حرکت نہیں کر سکتی۔ اب آیئے آگے بڑھتے ہیں۔ فرض کیجیئے آپ کے کمرے میں ایک صاحب کرسی پر بیٹھے ہوئے

تھے کچھ دیر کے بعد آپ کمرے میں دوبارہ آئے تو وہ بستر پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ان کی اس نقل مکانی پر آپ کو کوئی حیرت نہیں ہو گی۔ اور نہ یہ خیال آئے گا کہ ضرور کوئی اور شخص اس کمرے میں آیا ہے جس نے پہلے شخص کو کُرسی سے اٹھا کر بستر پر بٹھا دیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ اچھی طرح سے اس شخص کی اس صفت کو جانتے ہیں کہ وہ از خود کرسی سے بستر پر منتقل ہو سکتا ہے۔ اور اس عمل کے لیے اسے کسی اور کی حاجت نہیں ہے۔

اب دوسرے نقطے کو بھی ذہن میں رکھئے اور ہمارے ساتھ ذرا اور آگے بڑھئیے۔

ہم جانتے ہیں کہ مادی کائنات کی حقیقت اس کتاب سے ملتی جلتی ہے جو نہ خود حرکت کر سکتی ہے اور نہ اپنے آپ کو پیدا یا فنا کر سکتی ہے۔ اس کی تخلیق تنظیم، ترتیب اور بقا کیلئے خالق کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک کتاب یا کسی مادی شے یا پوری مادی کائنات کی یہ صفت ہے کہ وہ از خود نہ حرکت کر سکتی ہے نہ عملِ تخلیق تو طے ہوا کہ اس کائنات کا وجود خالق و باری تعالی کے بغیر تصور میں نہیں لایا جا سکتا۔

خدا کا وجود مان لینے کے بعد فوراً خدا کی صفات کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ خدائے تعالی کی صفتِ کمال یہ ہے کہ وہ سب کا خالق ہے اور اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔ وہ از خود موجود ہے اور اپنے وجود کیلئے کسی کا محتاج نہیں ہے جب یہ اس کی بنیادی صفت ٹھری کہ کوئی اس کا خالق نہیں ہو سکتا تو یہ سوال اپنی جگہ پر انتہائی لغو ہے کہ "اسے کس نے پیدا کیا "

ہم نے دیکھا کہ ایک انسان میں۔۔ کرسی پر منتقل ہو کر۔۔۔ بستر پر جا بیٹھنے کی صفت موجود ہے تو ہمارے ذہن میں یہ سوال پیدا نہیں ہوا کہ اس شخص کو کرسی سے بستر پر کس نے منتقل کیا۔ پھر جب خدا کی صفت اصلی یہ ہے کہ کسی کا "پیدا کردہ نہیں تو یہ سوال بھی ہمارے زہن میں نہیں پیدا ہونا چاہیئے کہ " خدا کو کس نے پیدا کیا؟

تحریر: ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ

کاتب: ابو عبد اللہ

کائنات کیسے وجود میں آئی

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کائنات کی تخلیق 14 ارب (1) سال پہلے ہوئی تھی، بگ بینگ (انتہائی زبردست دھماکہ) کی تھیوری تخلیق کائنات کے سلسلے میں ہی بیان کی جاتی ہے جس کے مطابق کائنات کو عدم سے وجود میں لایا گیا جس کے اجزا ایک نقطے میں بند تھے۔ اس سے پہلے مادہ تھا نہ توانائی اور نہ وقت۔ ایک بڑے دھماکے کے سبب یہ سب ایک ساتھ ظہور میں آئے اور باہم گتھا ہوا مادہ چھوٹے بڑے حصوں میں تقسیم ہو گیا اور منتشر ہو کر خلا میں انتہائی تیز رفتاری سے ایک دوسرے سے دور ہوتا چلا گیا۔ مادے کے ٹکڑے ابھی بھی خلا میں تیر رہے ہیں اور ان کا تیز رفتار سفر جاری ہے، اسی نظریے کے تحت مادے کے چھوٹے اور بڑے ٹکڑے کہیں سیارے بن گئے اور کہیں انہیں ستاروں کی حیثیت مل گئی۔ دمدار ستارے اور آسمان میں ٹمٹماتے تارے اسی نظریے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کرہ ارض، سورج، چاند، مریخ، مشتری، زحل جیسے متعدد سیارے بھی اسی بگ بینگ کا نتیجہ ہیں۔ (2)

بگ بینگ سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات ایک نکتے سے عدم سے وجود میں آئی۔ یہ واحد نقطہ جس نے کائنات کے تمام مادے کو پناہ دے رکھی تھی "صفر حجم" اور لا محدود کثافت" کا مالک تھا۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ "صفر حجم" ایک نظری اظہار ہے جو اس موضوع کی تشریح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ سائنس "عدم" کے تصور کی ٹھوس تشریح کرنے سے قاصر ہے اور اسے "ایک نقطہ صفر حجم کے ساتھ" ہی بیان کیا جاتا ہے۔ در حقیقت "ایک نقطہ بغیر کسی حجم کے" کے معنی ہیں "عدم"۔ اور اسی عدم سے یہ کائنات وجود میں آئی۔ دوسرے لفظوں میں اسے تخلیق کیا گیا۔ اسی بات کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ہم کائنات کے پھیلاؤ کے مخالف سمت سفر کریں تو یہ ہمیں ایک نقطے سے وجود میں آتی دکھائی دے گی، اگرچہ ایسا سفر عملاً ناممکن ہے۔

جدید سائنسی حلقے اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ کائنات کے آغاز اور اس کے وجود کی واحد معقول اور قابل ثبوت وضاحت "بگ بینگ" ہی ہے کیونکہ اس سے پہلے مادے (MATTER) کا وجود ہی نہ تھا۔ "حالت عدم" (CONDITION OF NON-EXISTENCE) تھی جس میں نہ مادہ تھا، نہ توانائی تھی اور نہ ہی وقت موجود تھا۔ اسے مابعد الطبیعیاتی طور پر یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ مادے، توانائی اور وقت کو ایک ساتھ تخلیق کیا گیا۔ (3)

948ء میں ایک امریکی ماہر فلکیات GEORGE GAMOV بگ بینگ سے متعلق ایک اور خیال لے کر آیا۔ اس نے بتایا کہ ایک بڑے دھماکے کے نتیجے میں جب یہ کائنات وجود میں آگئی تو اس دھماکے بعد شعاعوں کا ایک فالتو حصہ کائنات میں باقی رہ گیا ہوگا۔ مزید یہ کہ ان شعاعوں کو مساوی طور پر پوری کائنات میں منتشر ہو جانا چاہیے تھا۔ یہ ثبوت "جسے موجود ہونا چاہیے تھا" جلد تلاش کر لیا گیا۔ 1965ء میں دو محققین PENZIAS ARNO اور رابرٹ ولسن نے شعاعوں کی ان لہروں کو اتفاقاً دریافت کر لیا۔ ان شعاعوں کو "کائناتی پس منظر والی شعاعیں" کہا گیا جو کسی خاص منبع سے نکلتی ہوئی نظر نہیں آرہی تھیں بلکہ پورے کرۂ خلائی کو گھیرے ہوئے تھیں۔ جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خلاء میں ہر سمت سے جو گرم لہریں یکساں طور پر شعاعوں کی شکل میں خارج ہو رہی تھیں وہ بگ بینگ کے ابتدائی مراحل کی باقیات ہی ہیں۔ PENZIAS اور ولسن کو اس دریافت پر نوبل پرائز دیا گیا۔

1989ء میں ناسا (NASA) نے ایک سیٹلائٹ خلا میں بھیجا جس کا نام کوبے (COBE) یعنیٰ (Cosmic Background Explorer) تھا۔ اس سیٹلائٹ کے بھیجنے کا مقصد کائناتی پس منظر کی شعاعوں (Cosmic Background Radiations) کی تحقیق کرنا تھا۔ اس سیٹلائٹ پر ایسے حساس جائزہ کار آلات نصب تھے جنہوں نے صرف 8 منٹ میں PENZIAS اور ولسن دونوں محققین کی پیمائشوں کی تصدیق کر دی تھی۔ کوبے سیٹلائٹ نے اس بڑے دھماکے کی باقیات تلاش کر لی تھیں جو کائنات کے آغاز کے وقت ہوا تھا۔

بگ بینگ کا ایک اور اہم ثبوت ہائیڈروجن اور ہیلیم گیسوں کی وہ مقدار تھی جو خلا میں پائی گئی تھی۔ آخری جائزوں میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ کائنات میں جس ہائیڈروجن ہیلیم کا ارتکاز ہے وہ ہائیڈروجن ہیلیم کے ارتکاز کے ان نظری جائزوں کے ہم آہنگ ہے جو بگ بینگ کی باقیات کا نتیجہ تھا۔ اگر اس کائنات کا کوئی آغاز نہ ہوتا اور اگر یہ ازل سے موجود ہوتی تو اب تک اس کی ہائیڈروجن، ہیلیم میں تبدیل ہو کر خرچ ہو گئی ہوتی۔ یہ سب کے سب اپنے آپ کو اس قدر منوا لینے والے ثبوت تھے کہ سائنس دانوں کے پاس "نظریہ بگ بینگ" کو تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہ گیا تھا۔ کائنات کے آغاز اور اس کی تشکیل سے متعلق دیگر نظریات کے مقابلہ میں بگ بینگ ہی ایک ایسا ٹھوس نظریہ ثابت ہوا ہے کہ جس پر ماہرین فلکیات کی اکثریت متفق نظر آتی ہے۔

کیلی فورنیا یونی ورسٹی کے پروفیسر جارج ایبل نے بھی کہا کہ جو ثبوت سر دست دستیاب ہے اس کے مطابق یہ کائنات کئی بلین برس قبل ایک دھماکے کے ساتھ وجود میں لائی گئی تھی۔ اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ سوائے نظریۂ بگ بینگ کو تسلیم کر لینے کے اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ (4)

قرآن مجید میں کائنات کے وجود میں آنے کے حوالے سے درج ذیل آیت میں نشاندہی کی گئی ہے:

(اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ)

"کیا کافروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین آپس میں گڈمڈ تھے پھر ہم نے انہیں الگ الگ کیا اور ہر جاندار چیز کو پانی سے زندگی بخشی کیا پھر بھی یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کی خلاقی) پر ایمان نہیں لاتے؟" (5)

مولانا عبدالرحمان کیلانی "تیسیر القرآن" جلد سوم میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اس آیت میں رتق اور

فتق کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اور یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ رتق کے معنی دو چیزوں کا مل کر جڑ جانا اور چسپیدہ ہونا ہے اور فتق کے معنی ان گڈ مڈ شدہ اور جڑی ہوئی چیزوں کو الگ الگ کر دینا ہے، اس آیت میں کائنات کا نقطہ آغاز بیان کیا گیا ہے کہ ابتداً صرف ایک گڈ مڈ اور کئی چیزوں سے مخلوط مادہ تھا۔ اسی کو کھول کر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور دوسرے اجرامِ فلکی کو پیدا فرمایا۔"

ہمارے مشاہدات میں ہے کہ جب دنیا میں کوئی دھماکہ ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ سالہا سال کی محنت سے بنائی جانے والی عمارتیں زمین بوس ہو جاتی ہیں۔ افراد کے خاکی اجسام کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ اور جو کچھ ان دھماکوں کی زد میں آتا ہے 'تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے دھماکے، احتراق پذیر گیس کے دھماکے، آتش فشانی دھماکے، قدرتی گیسوں کے دھماکے اور شمسی دھماکے، ان سب کے نتائج تباہ کن ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ہمیں کوئی کہے کہ فلاں جگہ دھماکہ ہوا اور وہاں تباہی و بربادی ہونے کی بجائے بڑی بڑی عمارتیں 'فیکٹریاں اور باغات معرض وجود میں آ گئے ہیں تو آپ کہنے والے کو پاگل قرار دے دیں گئے کیونکہ اس کا یہ دعویٰ آپ کے مشاہدات کے برعکس ہے۔ مگر حقیقتاً اگر ایسا ہی ہو تو پھر آپ یہ سوچیں گئے کہ یہ دھماکہ ایک منفرد اور غیر معمولی دھماکہ ہے اور ضرور اس کے پیچھے کسی مافوق الفطرت ہستی کا ہاتھ ہے۔

چنانچہ سائنس نے ہمیں بگ بینگ کے متعلق یہی بتایا ہے کہ یہ دھماکہ ایک ایسا دھماکہ تھا کہ جس کے نتیجے میں بڑی بڑی کہکشائیں، ستارے، سیارے وغیرہ وجود میں آ گئے اور یہ سب زبردست نظم و ضبط کے ساتھ خلا میں مداروں کے اندر گھوم رہے ہیں۔ چنانچہ یہ دھماکہ ظاہر کرتا ہے کہ اس غیر معمولی دھماکے کے پیچھے ایک مافوق الفطرت ہستی کا دستِ قدرت ہے' جسے ہم اللہ کے نام سے جانتے ہیں۔

سر فریڈ ہائل نے کئی سال تک بگ بینگ کی مخالفت کی، پھر اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اس صورت حال کو بڑے اچھے طریقے سے بیان کیا:

نظریہ بگ بینگ کا دعویٰ ہے کہ یہ کائنات ایک واحد دھماکے کے ساتھ وجود میں آئی تاہم جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے دھماکہ تو مادے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے جبکہ بگ بینگ نے متضاد نتیجہ پیش کیا ہے کہ مادے کے کہکشاؤں کی صورت میں جھنڈ کے جھنڈ نمودار ہو گئے ہیں..... وہ قوانین طبیعیات جو بگ بینگ کے ساتھ ہی وجود میں آ گئے تھے 14 ارب سال گزر جانے کے باوجود تبدیل نہ ہوئے۔ یہ قوانین اس قدر نپے تلے حساب کے ساتھ وجود میں آئے تھے کہ ان کی جاریہ قیمتوں (Values) سے ایک ملی میٹر کا فرق بھی پوری کائنات کے مکمل ڈھانچے اور ساخت کی تباہی وبربادی کا باعث بن سکتا تھا۔

مشہور ماہر طبیعیات پروفیسر اسٹیفن ہاکنز اپنی کتاب "وقت کی مختصر تاریخ" (A Brief History of Time) میں لکھتا ہے کہ یہ کائنات حساب کتاب کے ساتھ طے شدہ جائزوں اور توازنوں پر قائم کی گئی ہے اور اسے اس قدر نفاست کے ساتھ "نوک پلک درست" کر کے رکھا گیا ہے کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ (6)

قرآن کی زیر نظر آیت اور سائنسی نظریہ بگ بینگ میں زبردست مماثلت پائی جاتی ہے۔ غور کریں کہ آج سے 1400 سال پہلے جب عرب کے صحرا میں پہلی مرتبہ یہ آیت نازل ہوئی تھی تو کیا یہ کسی انسان کے بس کی بات تھی کہ وہ سائنس کی اس حقیقت کو جو صرف چند سال پہلے مسلسل تجربوں کے بعد سامنے آئی ہے، اس وقت لکھ سکتا۔ علاوہ ازیں سائنس دان اس بات پر متفق ہیں کہ کہکشاؤں کے وجود میں آنے سے پہلے تمام کائنات دھوئیں کا بادل تھی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی اس حالت کا ذکر لفظ " دخان " یعنی دُھویں سے کیا ہے اور اس حقیقت کو آج سائنس دانوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ یونیورسٹی آف ایری زونا کے سائنس دان ڈینیئل آئزن اسٹین نے نئی تحقیق کی روشنی میں بگ بینگ کے نتیجے میں وجود میں آنے والی کائنات کو دُھواں پھینکنے والی گن سے تشبیہہ دی ہے کہ جس سے خارج ہونے والا دھواں ایک مخصوص انداز میں پھیلتا ہے۔ کائنات بھی اسی طرح فروغ پذیر ہے (7)۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ حم السجدہ میں اس بات کی طرف اشارہ اس طرح کیا ہے :

(ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ط قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ)

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دھواں تھا تو اس نے (اس طرح کے) آسمان اور زمین سے کہا کہ " (وجود میں آجاؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو، دونوں نے کہا ہم فرماں بر داروں کی طرح آگئے " (8

پروفیسر ڈاکٹر یوشی ہائیڈ کوزائے (Professor Dr. Yoshihide Koszai) سے جب ان آیات قرآنی پر تبصرہ کرنے کے لیے کہا گیا جو آسمانوں کی تخلیق کی ابتداء اور زمین وآسمان کے معاملات کی توضیح کرتی ہیں تو انہوں نے آیات کا مطالعہ اور ان پر غور وخوض کرنے کے بعد قرآن مجید کے نزول کے متعلق تفصیلات معلوم کیں کہ یہ کہاں ،کب اور کس پر نازل ہوا؟ ان کو بتایا گیا کہ قرآن مجید 14 سو سال پہلے نازل ہوا تھا تو انہوں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا" قرآن انتہائی بلند مقام سے کائنات کی وضاحت کرتا ہے۔۔ اس نے جو کچھ کہا وہ حقیقت میں موجود ہے۔ " (گویا اُس نے) ایسے مقام سے دیکھا ہے جہاں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی وقت ایسا بھی تھا جب آسمان دھواں تھا تو انہوں نے بتایا کہ تمام علامات ونشانیاں اسی بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ایک ایسا وقت بھی تھا کہ جب آسمان دھویں کا بادل تھا۔ بعض سائنس دان کہتے ہیں کہ یہ

ہے لیکن پروفیسر کوزائے کہتے ہیں کہ دھندیا کہر دھویں سے مشابہت نہیں (Mist)دھندیا کہر (Smoke) دخان گرم (Cosmic Smoke) رکھتی کیونکہ دھندیا کہر کی خصوصیت ٹھنڈی ہوتی ہے جبکہ فلکیاتی دھواں سے بناہے جس کے ساتھ ٹھوس مواد (Diffused Gases) ہوتا ہے۔ درحقیقت "دخان" مائع گیسوں شامل ہے اور یہ دھویں کی بالکل صحیح تعریف ہے جس سے کائنات وجود میں آئی ہے۔ (Solid Substance) پروفیسر کوزائے کہتے ہیں چونکہ دھواں گرم تھالہٰذا ہم اس کو دھندیا کہر سے تعبیر نہیں کرسکتے اور "دخان" اس کے لیے بہترین لفظ ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن مجید کسی انسانی کاوش کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ایک آسمانی کتاب ہے۔ (9

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ابتدائی حالت کو دُھویں سے تشبیہہ دی ہے اور یہی جدید سائنس کی تحقیق ہے جبکہ اس حقیقت کا اظہار 1400 سال پہلے ہی قرآن مجید میں موجود تھا۔ اس لیے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ کائنات کے اس راز کو کائنات کا بنانے والا ہی بتاسکتا ہے، کوئی انسان نہیں۔

حواشی

(1)۔ http://crystalnebulae.co.uk/2dfmap.html

(2)۔بحوالہ روزنامہ اردونیوز جدہ، 25 نومبر 2004ء

(3)۔ قرآن رہنمائے سائنس۔ صفحہ 109

(4)۔اللہ کی نشانیاں، عقل والوں کے لیے۔ صفحہ 251-253

(5)۔سورۃ الانبیاء۔ 21:30

(6)۔اللہ کی نشانیاں۔ صفحہ 23-24

۔روزنامہ اردو نیوز جدہ، مورخہ 13 جنوری 2005ء(7)

۔ 41:11(8)

۔سائنسی انکشافات قرآن وحدیث کی روشنی میں۔(9)

صفحہ 133-134

http://quraniscience.com/.../how-did-the-universe-come-intoex...

بشکریہ محترم جانی اعوان صاحب

ماؤنٹ ولسن کی رصد گاہ واقع کیلی فورنیا میں 1929ء میں امریکی ماہر فلکیات ایڈون ہبل نے فلکیات کی تاریخ میں ایک عظیم دریافت کی۔ جس وقت وہ ایک بڑی دوربین کے ذریعے ستاروں کا مشاہدہ کر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ ان سے نکلنے والی روشنی، طیف (Spectrum) کے سرخ سرے میں منتقل ہو رہی ہے اور جو ستارہ زمین سے جتنا دُور ہے، یہ منتقلی اتنی ہی نمایاں ہے۔ سائنس کی دنیا میں یہ ایک تہلکہ خیز دریافت تھی، کیونکہ طبیعیات کے مسلمہ اصولوں کے مطابق اگر کسی روشنی کا طیف (Spectrum) نقطہ مشاہدہ (پوائنٹ آف آبزرویشن) کی جانب سفر کر رہا ہو تو وہ بنفشی رنگ میں تبدیل ہو جائے گا، جبکہ روشنی کا یہ طیف نقطۂ مشاہدہ سے دور ہو رہا ہو تو اس کی روشنی سرخ ہو جائے گی۔ ہبل نے اپنے مشاہدات میں دیکھا کہ روشنی سرخ ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ستارے ہم سے مسلسل دُور ہوتے جا رہے ہیں۔

اس سے پہلے ہبل نے ایک اور اہم دریافت کی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ستارے اور کہکشائیں نہ صرف ہم سے بلکہ ایک دوسرے سے بھی دُور ہوتے جارہے ہیں۔ اس مشاہدے سے کہ جہاں ہر شے دوسری شے سے دُور ہورہی ہے، صرف یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ کائنات مستقل پھیل رہی ہے۔

اس بات کو مزید اچھی طرح سمجھنے کے لیے آپ پھولتے غبارے کی سطح کا تصور کیجئے۔ بالکل اسی طرح جیسے پھولتے ہوئے غبارے کی سطح کے نقطے (پوائنٹس) ایک دوسرے سے دُور ہوتے چلے جاتے ہیں، بالکل اسی طرح پھیلتی ہوئی کائنات میں خلا میں موجود اجسام (ستارے، سیارے وغیرہ) ایک دوسرے سے دُور ہورہے ہیں۔

نظری طور پر تو یہ بات اس سے پہلے ہی دریافت کی جاچکی تھی۔ چنانچہ معروف سائنس داں البرٹ آئن سٹائن نے یہ
نہیں ہوسکتی۔ تاہم اس نے اپنے نظریئے کا پرچار (Static) بات نظری طور پر ثابت کی تھی کہ کائنات ساکن
وسیع پیمانے پر تسلیم کیا جاتا (Static Universe Model) نہیں کیا، کیونکہ اس وقت ساکن کائنات کا نمونہ
تھا۔ بعد میں اس بات کو ہبل کے مشاہدات نے ثابت کردیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔

لیکن کائنات کی تخلیق کے سلسلے میں کائنات کے پھیلاؤ کی کیا حیثیت ہے؟ کائنات کے پھیلاؤ کو ہم اگر پہلے کے وقت میں دیکھیں تو یہ ثابت ہوگا کہ کائنات ایک واحد نقطے (سنگل پوائنٹ) سے وجود میں آئی ہے۔ تخمینہ جات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس ”واحد نقطے“ (جس میں تمام کائنات کا مادہ سمایا ہوا ہوگا) کا حجم صفر اور کثافت لامتناہی (Infinite) ہوگی۔ چنانچہ ایک دھماکے کے بعد اس کائنات کا آغاز ”صفر حجم“ (زیرو والیم) سے ہوا ہوگا۔ یہ عظیم دھماکا جس سے کائنات کا آغاز ہوا، ایک نظریئے کے طور پر ”بگ بینگ“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

صفر حجم" ایک نظری وضاحت ہے جس کے ذریعے سائنس کسی شے کے "عدم وجود" کو ثابت کرتی ہے جو انسانی" فہم سے ماورا ہے، لہٰذا ایک نقطے کو صفر حجم تسلیم کر کے ہی بات واضح کی جاسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "صفر حجم والے ایک نقطے" کا مطلب اس کا "عدم وجود" ہے۔ گویا کائنات "عدم" سے "وجود" میں آئی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ "تخلیق" کی گئی ہے۔

بگ بینگ نظریہ بیان کرتا ہے کہ ابتدا میں تمام اجسام ایک ٹکڑا تھے اور پھر یہ علیحدہ علیحدہ ہوئے۔ وہ حقیقت جسے بگ بینگ نظریئے نے ظاہر کیا، قرآن پاک میں 14 صدی پہلے واضح کر دیا گیا کہ جب لوگوں کے پاس کائنات کے بارے :میں بہت ہی محدود معلومات تھیں

کیاان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین (پہلے) بند تھے۔ پھر ہم نے دونوں کو (اپنی قدرت سے) کھول" "دیا اور ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جان دار چیز کو بنایا ہے۔ کیا (ان باتوں کو سن کر) بھی ایمان نہیں لاتے۔

(سورۃ الانبیاء۔30)

جیسا کہ درج بالا آیت میں بیان کیا گیا، کائنات کی ہر شے حتیٰ کہ "آسمان اور زمین" کی تخلیق بھی، ایک عظیم دھماکے کے نتیجے میں ایک واحد نقطے سے کی گئی اور موجودہ کائنات کو ایک دوسرے سے الگ کر کے مخصوص شکل دی گئی۔

جب ہم آیت میں درج بیان اور بگ بینگ نظریئے کا موازنہ کرتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے سے مکمل ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ تاہم بگ بینگ نظریہ بیسویں صدی میں ایک سائنسی نظریئے کے طور پر سامنے آیا۔

کائنات کا پھیلاؤ اس قرآنی دعوے کا ایک اہم ثبوت ہے جس کے مطابق کائنات "عدم" سے "وجود" میں لائی گئی۔ اگرچہ سائنس نے بیسویں دی میں جا کر اس حقیقت پر سے پردہ اُٹھایا، مگر اللہ نے قرآن پاک میں 1400 پہلے اس

”حقیقت کو بیان فرمادیا، ”اور ہم نے آسمانوں کو (اپنی) قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں۔

(سورۃ الذاریات:47)

فلسفے کی بنیادی شاخ میٹافزکس ہے۔ میٹافزکس کی تین اور شاخیں ہوتی ہیں۔ آنٹولوجی، کوسمولوجی اور ٹیلیولوجی۔

کوسمولوجی حقائق کی ترتیب سے بحث کرتی ہے۔ یعنی مختلف حقیقتوں کی ترتیب کیا ہے اور کس کی کیا علت ہے۔

خدا کے وجود ہے کے لئے کاسمولوجیکل آرگیومنٹ ایک بہت پرانی دلیل تھی جو کہ پرانے یونانی فلسفہ میں بھی پائی جاتی تھی۔ یہ دلیل ایک شکل میں نہیں رہی۔ مختلف ادوار میں اس کو غلط بھی ثابت کیا جاتا رہا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ دلیل آج بھی ٹھوس ہے۔

دلیل کچھ یوں ہے۔

ہر وجود کی کوئی نہ کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ چونکہ یہ کائنات ہے اور کائنات خود اپنے آپ کو وجود نہیں دے سکتی اس لئے لازمی طور پر کوئی نہ کوئی ہے جس نے اس کائنات کو وجود بخشا۔

یہ بہت ہی سادہ سی بات ہے۔

اس پر یہ اعتراضات ہو سکتے ہیں

اگر ہر وجود کی کوئی نہ کوئی علت ہے تو پھر خدا کی کیا علت ہے؟

دوسرا اعتراض یہ ہے کیا ضروری ہے ہر وجود کی کوئی علت ہو؟

ان دونوں اعتراضات کے جوابات کچھ یوں ہیں۔

کائنات کے بارے میں ہمارا مشاہدہ ہے یہ ہے کہ یہ روبہ تنزل ہے۔ چیزیں پرانی ہو جاتی ہیں۔ قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ کائنات کا کوئی نکتہ آغاز ہو گا جہاں سے یہ دھیرے دھیرے ڈھل کر اس حالت میں پہونچی ہے۔ اس مستقل تنزلی کی بنیاد پر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ کائنات کا کوئی نکتہ آغاز ضرور ہے۔ جس چیز کا نکتہ آغاز ہے تو لازمی طور پر اس کی علت ہونی ہی چاہئے۔ اگر کسی کا نکتہ آغاز ہی نہ ہو اس کی علت ہونا ضروری نہیں۔ چونکہ کائنات کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ اس کا نکتہ آغاز ہے اس لئے اس کی علت ہونی لازمی ہے۔ چونکہ خدا کے بارے میں ایسے کسی دعوے کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے اس لئے خدا کی علت کی جستجو بے کار ہے۔

کچھ یونانی فلاسفہ کا یہ دعوی تھا کہ اجرام سماوی جیسے سورج اور تارے مستقل ایک ہی کیفیت میں ہیں اور صدیوں سے ان کی گرمی یا روشنی میں کسی قسم کی کمی محسوس نہیں کی گئی۔ اس لئے یہ قدیم ہیں اور اسی بنا پر خدا کے وجود ثابت نہیں ہوتا۔

امام غزالی نے یونانی فلاسفہ کے دعوے کی تردیدیوں کی کہ ان کے بقول یہ اجرام سماوی اتنی بڑی چیزیں ہیں کہ اگر ان کی روشنی یا گرمی میں کوئی کمی بھی ہو رہی ہو تو وہ اتنے دھیرے دھیرے ہو گی کہ صدیوں میں معلوم نہیں ہو گا۔

خدا کی علت کے سوال کے جواب میں ایک اور نکتہ بھی ہے۔

چلئے فرض کر لیتے ہیں کہ کائنات کی علت زیڈ ہے۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ زیڈ کی علت کیا ہے۔ فرض کر لیتے ہیں کہ زیڈ کی علت وائی ہے۔

توسوال پیدا ہوتا ہے کہ وائی کی علت کیا ہے۔ فرض کر لیتے ہیں کہ وائی کی علت ایکس ہے۔

توسوال پیدا ہوتا ہے کہ ایکس کی علت کیا ہے۔ فرض کر لیتے ہیں کہ ایکس کی علت ڈبلیو ہے۔

اس طرح آپ مانتے چلے جائیں تو یہ ایک لا محدود سیریز ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ سیریز سچ مچ لا محدود ہے تو پھر کائنات کا وجود ہی نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم ہیں اور آپ بھی ہیں۔

تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ کوئی علت اولی ہے جو بذات خود موجود ہے۔ اور کائنات کے بارے میں یہ بات محقق ہے کہ وہ علت اولی کائنات نہیں ہے۔ یہی علت اولی خدا ہے۔

یہ تو رہی بالکل ہی کلاسیکل آرگیومنٹ۔ آپ روبہ تنزل والی دلیل کو شاید آسانی سے رد کریں۔

لیکن آج کے دور میں کچھ ایسی دریافتیں ہوئیں جن کی بنیاد پر یہ آرگیومنٹ مزید مستحکم ہو گیا۔

اینٹروپی کی دریافت کی وجہ سے یہ بات تمام کے نزدیک قابل قبول ہو گئی ہے کہ کائنات متغیر اور روبہ زوال ہے۔ یعنی کائنات میں قوت موجود ہے لیکن ناقابل استعمال ہوتی جارہی ہے اور بلینیوں سال کے بعد کائنات کی تمام قوتیں غیر مفید ہو جائیں گی اور کائنات ایک فرسودہ اور یونی فارم شکل اختیار کرے گی جس میں قوت کا تنوع نہیں ہو گا۔ بغیر تنوع کے زندگی اور حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے یہ لنک ملاحظہ کیجئے:

http://en.wikipedia.org/wiki/Heat_death_of_the_universe

کائنات کے وجود کے بارے میں سائنسی حلقوں میں ایک ہی تھیوری اب قابل قبول ہے اور تمام تجربات اس کی تصدیق کرتے جارہے ہیں اور وہ تھیوری بگ بینگ تھیوری کہلاتی ہے۔

بگ بینگ تھیوری بھی اور اینٹروپی کا نظریہ بھی ایک بات کی تصدیق کرتا ہے اور وہ یہ کہ کائنات ازلی نہیں ہے۔

ایک چیز حادث ہے تو لازماً اس کی علت ہونی چاہئے۔ ایک چیز قدیم ہے اور جس کی کوئی ابتداء نہیں، ممکن ہے کہ اس کی علت نہ ہو۔

تو جناب یہاں پر بات صرف علت کی نہیں بلکہ علت اولی کی ہے۔ خدا کو ثابت کرنے کے لئے علت کی جو دلیل دی جاتی ہے وہ صرف علت کے نہیں بلکہ علت اولی حوالے سے ہے۔

تو جناب یہاں پر یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ کوسمولوجیکل آرگیمونٹ، علت و معلولی کی دلیل، بگ بینگ تھیوری اور انٹروپی کی باتیں ایک ہی چیز کے حوالے ہو رہی ہے۔

ملحدین کی لاجیکل تردید میں قرآن کی ایک عظیم آیت

: قرآن نے ملحدین کے خلاف ایک بہت مضبوط اور لاجیکل دلیل پیش کی ہے یہ پوچھ کر کہ

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ الطور

کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا زمین اور آسمانوں کو اِنہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے

قرآن کی ان دو آیات میں دو بہت اچھے سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ کیا یہ (کافر و ملحد) لوگ عدم سے وجود پا گئے ہیں؟ اور دوسرا یہ کہ کیا انہوں نے خود کو اور اپنے ارد گرد ہر چیز کو خود ہی پیدا کر لیا ہے؟

یہ دونوں سوالات ملحدین کی منطقی نامعقولیت کو ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔ ملحدین کی دنیا وہ ہے، جہاں کوئی تخلیق کار نہیں، کوئی خدا نہیں، لہٰذا خدا نے تو ہمیں بنایا نہیں۔ اگر یہ بات درست ہے کہ کوئی ہمیں تخلیق کرنے والا نہیں تو اس انکار کے بعد دو ہی راستے ہیں کہ یا تو یہ مانئے کہ ہم عدم سے خود ہی وجود پا گئے ہیں۔ یعنی پہلے کچھ نہیں تھا اور ہم "کچھ نہیں" سے تخلیق ہو کر اچانک ظاہر ہو گئے۔۔۔ اور یا یہ کہ ہم نے ہی اس کائنات کو اور خود کو تخلیق کر لیا ہے؟

ملحدین کا "عقیدہ" یہ ہے کہ ہماری اور ہمارے ساتھ کائنات کی تخلیق بس تکے سے، بغیر کسی وجہ کے، ہو گئی اور خود بخود ہی ہو گئی۔ یہ انتہائی نامعقولیت پر مبنی بات ہے۔ بلکہ یہ کہنا عین انصاف پر مبنی ہو گا کہ خدا کے وجود پر یقین رکھنے کے لئے ہمیں جس مقدار میں "عقیدہ" کی ضرورت ہے، اس سے کہیں زیادہ ملحدین کو اس بغیر خدا والی کائنات پر ایمان

لانے کے لئے "عقیدہ" بلکہ اندھے عقیدے کی ضرورت ہے۔

یہ بات تو سائنسی طور پر بھی طے پاچکی ہے کہ ہماری کائنات کی ابتدا ہے۔(مختصرا اس طرح کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے، کہکشائیں ایک دوسرے سے دور جا رہی ہیں اور سائنسدانوں نے ان کی ولاسٹی اور موجودہ پوزیشن کو جانچ کر ایک فیصد ایرر کے ساتھ یہ بھی طے کر دیا ہے کہ کائنات کی ابتدا کب ہوئی اور پھر تھرموڈائنامکس کا دوسرا قانون)۔ گویا ہماری کائنات کی ابتدا کا کوئی نہ کوئی وقت تھا۔ لہٰذا اگر ملحدین کے نظریہ پر پرکھیں تو ہمیں واقعتا اس بات پر "اندھا ایمان" لانا پڑے گا کہ کائنات "عدم" سے وجود میں آ گئی۔ اور "عدم سے وجود" پانے کے عقیدہ کو عقلا محال "ثابت" کرنے کی بہرحال کوئی ضرورت نہیں۔ کہ یہ خود اپنے آپ ہی اپنی نامعقولیت کا ثبوت ہے۔

بہرحال، ملحدین کی خدا کے بغیر والی دنیا، عدم سے (بغیر کسی مقصد اور وجہ کے بس یونہی) اچانک وجود میں آئی۔ پھر واقعات کے تسلسل نے اسی کائنات میں "زمین" نامی سیارہ بنایا۔ پھر زمین کی فضا بھی زندگی کے لئے سازگار ہو گئی، پھر پانی سے ایک زندہ خلیہ نمودار ہو گیا(پانی کہاں سے آیا، اور مردہ سے زندہ کیسے نمودار ہو گیا مت پوچھئے)۔ اور پھر اس ایک خلئے سے کروڑہا اقسام کی مخلوق، چرند پرند، رینگنے والے، اڑنے والے، چلنے والے حیوانات پیدا ہوئے۔ اور ہر مخلوق نے اپنی الگ الگ شناخت بھی بہرحال برقرار رکھی جیسا کہ آج ہمیں نظر بھی آتا ہے۔ اور پھر بغیر کسی وجہ کے تکے سے ہی ایک شعوری مخلوق پیدا ہو گئی، جسے حضرت انسان کا لقب ملا۔ پھر ان سب مخلوقات میں بشمول حضرت انسان تولید کا سلسلہ بھی چل نکلا، لہٰذا اب دوبارہ اس کی ضرورت نہیں کہ پانی سے ایک خلیہ نمودار ہو اور پھر یہ خلیہ ایک طویل عرصے اور جدوجہد سے گزر کر انسان بنے۔ بلکہ انسان نے خود ہی اپنی تولید کا آسان نظام "تخلیق" کر لیا ! اور خود ہی اپنا "خدا" بن گیا۔۔

ملحدین کا بغیر خدا کے کائنات کے پیدا ہونے والا نظریہ ایسا ہی ہے کہ یہ مانا جائے کہ ایک پیدا ہونے والا بچہ بغیر ماں باپ کے، بغیر کسی لیبارٹری کے، بغیر کسی پہلے سے موجود میٹیریل کے، یونہی عدم سے اچانک وجود میں آ گیا۔ اور پھر پیدا ہونے کے بعد خود ہی اپنے آپ میں سروائیو بھی کر گیا۔ اور پھر اس بچے نے خود کو مرد و عورت کے روپ میں بھی دھار لیا، تاکہ آئندہ عدم سے وجود نہ لینا پڑے، بلکہ آسان طریقے سے مزید بچے پیدا کئے جا سکیں۔ بھلا یہ عقل کی بات ہے؟ یا یہ عقلا ممکن بھی ہے؟

کوئی مذاہب کا ماننے والا کہے کہ خدا موجود ہے کیونکہ اس کی تخلیق موجود ہے تو اسے تو یہ ملحدین نامعقول، غیر منطقی، عقل سے ماورا عقیدہ قرار دیں، جسے مذہب نے تھوپا ہے۔

اور کائنات کی ابتدا کے بارے میں خود انہی "عاقلوں" کے جو "عقائد" ہیں، ان کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے یوں کہا جائے کہ جی میری ماں نے خود اپنے آپ کو پیدا کر لیا ہے۔

سائنسی طور پر بہر حال "ثابت" یہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی خدا ہے جس نے یہ کائنات بنائی، لیکن اس کی تردید بھی سائنسی بنیادوں پر نہیں کی جا سکتی۔ اور عقلا بھی یہ محال نہیں کہ کوئی عظیم ڈیزائنر، کوئی عظیم انجینئر، کوئی عظیم بائیولوجسٹ بہر حال ہے، جس نے یہ سب ڈیزائن کیا، بنایا اور پھر ہر چیز بہترین تناسب میں مقرر کر دی۔

لیکن دوسری جانب یہ کہنا کہ کائنات نے خود اپنے آپ کو پیدا کر لیا، یا "عدم" سے خود ہی یہ کائنات بن گئی، عقلا ہی

محال و نا ممکن امر ہے۔ جیسا کہ کسی بچے کا خود ہی پیدا ہو جانا، کسی کے کھلائے پلائے بغیر زندہ رہنا، پھر خود ہی مرد و زن میں منقسم ہو کر اپنی تولید کا نیا نظام بنالینا، عقلاناممکن و امر محال ہے۔

چونکہ قرآن کی ان آیات میں پوچھے گئے دونوں سوالات کے جوابات نفی میں ہی ہیں۔ تو جب تک کوئی تیسرا نظریہ پیش نہ کر دیا جائے یہ بات از خود پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ یہ کائنات خدا نے ہی تخلیق کی ہے۔

سائنس، منطق اور فلسفے نے نظریہ الحاد کو دیوالیہ کر دیا ہے۔ وہ خود اپنے ہی قائم کیے گئے اصولوں کے تحت خود کو رد رہا ہے۔

وہ زندگی اور کائنات سے متعلق اہم ترین سوالات کے جوابات دینے میں ناکام ہے۔ ان سوالات کے جوابات دینے کے لیے اسکو عالمی طور پر تسلیم شدہ اصولوں، سچائیوں اور طریقہ کار سے انحراف کرنا ہو گا لیکن ایسا کرنے سے سارا علم ہی باطل ہو جائیگا اور کوئی چیز ثابت اور متعیّن نہیں کی جاسکے گی ۔





" ۔۔۔۔۔۔۔"ہر وجود یا واقعے کا کوئی نہ کوئی سبب ہو تا ہے

الحاد کا یہ اہم ترین اصول کائنات کے وجود کے معاملے میں خود الحاد کی بنیادیں ہلا دیتا ہے۔ دو ممکنات ہیں۔ یا کائنات لامتناہی وقت سے ہے یا ایک خاص وقت وجود میں آئی ۔ کوئی تیسری صورت ممکن نہیں۔

اگر لامتناہی وقت سے ہے تو سائنس کے قانون کے مطابق اسکو لامتناہی وقت پہلے ہی اپنی ساری توانائی استعمال کر کے ٹھنڈا ہو جانا چاہئے تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ مادے اور توانائی سے بنی یہ کائنات کسی اور شکل میں لامتناہی وقت سے موجود تھی اور پھر تبدیل ہو کر موجودہ شکل اختیار کی تب اسی اصول کے مطابق لامتناہی وقت سے ہی اس تبدیلی کا سبب یا محرک موجود تھا اور یہ تبدیلی لامتناہی وقت پہلے آجانی چاہئے تھی ۔کائنات کو پھر بھی لامتناہی وقت پہلے ٹھنڈا ہو جانا چاہئے تھا۔

سبب والے اصول کے مطابق کائنات کی موجودہ شکل ناممکن ہے۔

ہمیں ماننا پڑے گا کہ کائنات کا کسی بھی شکل میں کوئی وجود نہیں تھا۔تب یہ کیسے وجود میں آئی ؟؟الحاد اس کا جواب دینے سے قاصر ہے۔

دوسری صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ کائنات ایک خاص وقت میں عدم سے وجود میں آئی ۔(بگ بینگ تھیوری بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے)

کائنات کے وجود میں آنے کا سبب یا محرک بیرونی تھا جو اسکو عدم سے وجود میں لایا یا دوسرے لفظوں میں اسکو "پیدا" کیا۔

!اندرونی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ایک چیز موجود ہی نہیں تھی تو اسکا اندرونی سبب کہاں سے آگیا جو اسکو پیدا کرے۔۔۔

اب ذرا یہ نقطہ زیادہ غور سے سمجھنے کا ہے کہ وہ بیرونی محرک یا سبب شعور سے عاری ہر گز نہیں ہو سکتا۔ کیوں۔۔۔؟

اگر وہ محرک شعور سے عاری تھا تب وہ مادے اور توانائی ہی کی کوئی اور شکل تھی اسلیئے لازمً وقت بھی موجود تھا کیونکہ کوئی اور صورت ممکن نہیں۔ شعور سے عاری سبب یا محرک عدم سے وجود نہیں بخش سکتا۔۔ اگر کر سکتا ہے تو کیسے ۔۔۔

اسلیئے وقت کی موجودگی میں اسی لامتناہی وقت والے مسلیئے کا سامنا کرنا ہو گا۔

سب سے اہم پیدا کرنے کے لیے ارادہ ضروری ہے اور ارادے کے لیے شعوری لازم۔ اسکے علاہو کونسی صورت ممکن ہے؟

یقیناً وہ بیرونی محرک یا سبب عظیم شعور اور عظیم طاقت کا مالک ہے جس نے کائنات کی پیدائش کا ارادہ کیا اور معجزانہ انداز میں کائنات کو پیدا کیا۔

اس آخری بات کو تسلیم کرنے کے بعد ہمیں خوبخود ایک اور اہم ترین سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ۔۔۔ "اگر کائنات ایک دھماکے سے وجود میں آئی تو اس کے ایک معمولی ایٹم سے لے کر عظیم الشان کہکشاؤں تک میں ایک غیر معمولی نظم اور اصول کیوں کارفرما نظر اتے ہیں۔۔"

! اس حیران کن نظم کو الحاد نہایت ڈھٹائی سے "اتفاق" قرار دیتی ہے

کائنات کو تخلیق کرنے والے اس محرک کو ہم خدا کہتے ہیں۔ خدا کے وجود سے انکار ہمیں ایک ایسی جگہ کھڑا کرتی ہے جہاں ہمیں ہر راستہ بند ملتا ہے۔

یہاں سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ اگر ہر شے کا خالق خدا ہے تو خدا کا خالق کون ہے؟؟ پھر اس کا خالق کون ہے اور پھر اسکا خالق کون؟؟ یوں یہ لامتناہی خداوؤں کا ایک سلسلہ بن جاتا ہے۔

لیکن لامتناہی خداوؤں کے وجود کا تصور ہی اسکو باطل ثابت کرنے کے لیے کافی ہے ۔ ہمیں لازمً ایک ایسے خالق کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا جسکا خالق کوئی نہ ہو۔ یعنی اسکو کسی نے پیدا نہ کیا ہو۔

خالق لامتناہی نہیں تو کتنے ہیں؟؟ اس سوال کا جواب قرآن ایک مثال کے ذریعے دیتا ہے کہ اگر خدا ایک سے زیادہ ہوتے تو ان میں اختلاف ہوتا۔

یہ نہایت سادہ لیکن بہت ہی اہم نقطہ ہے۔ اگر خالق ایک سے زائد ہیں تب ان میں اختلاف لازم ہے ۔ اگر الحاد کہے کہ کبھی کوئی اختلاف ہو ہی نہیں سکتا تب وہ ایک ہی وجود تسلیم کیا جائیگا۔ لیکن اگر اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں تو۔۔۔۔۔ کونسا خدا غالب آئیگا کونسا مغلوب ہوگا نیز اس اختلاف کے بعد مخلوق کا وجود بلکہ خود خالق کا وجود کیسے باقی رہ سکے گا؟؟

ایسے ایسے سوال اٹھتے ہیں جو کائنات جیسی عظیم الشان تخلیق کرنے والے خالق کے ہرگز شایان شان نہیں۔

تب ہمارے پاس یہی چارہ رہ جاتا ہے کہ ہم صرف ایک خدا کے وجود کو تسلیم کر لیں جو ہر شے کا خالق ہے اور جس کو کسی نے پیدا نہیں کیا نہ ہی کوئی اسکا ہمسر ہے۔

☆☆

نظریہ ارتقاء یا ایویلوشن نے الحاد کی کمر توڑ دی ہے۔

بنیادی طور پر یہی وہ سائنسی نظریہ ہے جس پر الحاد سب سے زیادہ انحصار کرتا ہے لیکن ہوا یہ کہ اس نظریے کو ثابت کرنے کے لیے اس پر بہت زیادہ تحقیق کی گئی جس کے نتائج نے الحاد کو بلکل ہی بے آسرا کر دیا ہے۔

زندگی یا جاندار کیسے وجود میں آئے؟ صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔

"پہلی ۔۔۔" جاندار خو بخود وجود میں آئے۔

"دوسری ۔۔۔۔" انکو تخلیق کیا گیا۔

کوئی تیسری صورت ممکن نہیں۔ الحاد پہلی صورت کا قائل ہے اور اسی کو ثابت کرنے کے لیے نظریہ ارتقاء پیش کیا گیا ہے۔

اس نظریے کے مطابق زمین پر مناسب ترین ماحول بنا (جو ابھی ثابت نہیں ہوا) پھر مختلف کیمیکلز نے اتفاقاً مناسب ترین مقدار میں ملکر ایمینو ایسڈز بنائے۔ پھر اتفاقاً یہ امینو ایسڈز ایسے تناسب سے ملے جن سے مختلف قسم کے پروٹینز بنے۔ پھر ایک حیرت انگیز اتفاق کے تحت ان پروٹینز نے ایسے اعضاء بنائے جن سے خلیہ بن سکتا تھا اور محض تکے سے ان اعضاء نے ملکر ایک زندہ خلیہ بنالیا۔ پھر اس خلیے نے بیرونی اثرات کے سبب اتفاق سے ہی پیچیدہ جانور بنا لیے۔

ان اتفاقات کا امکان کتنا ہے۔خود ماہرین ایک مثال دیتے ہیں کہ۔۔۔۔۔

۔۔"اگر کائنات میں موجود سارے ایٹم امینو ایسڈز میں تبدیل ہو جائیں اور انکو مطلوبہ ماحول اور اربوں سال کا وقت دیا جائے۔تب بھی وہ" محض اتفاق سے "کوئی ایک درمیانہ سائز کا فنکشنل پروٹین نہیں بنا سکتے۔"۔۔۔

جبکہ ایک زندہ خلیہ ایسے بہت سے ایسے اعضاء پر مشتمل ہوتا ہے جو اس خلیے کو زندہ رکھنے کے لیے الگ الگ امور سرانجام دیتے ہیں اور وہ ہر عضو صرف اسی عضو کے لیے درکار مخصوص پروٹینز کے انتہائی درست تناسب سے ملکر بنتا ہے۔

ایک برتن میں لوہے کے بہت سارے ٹکڑے ڈال کر انکو اربوں سال تک ہلایا جائے تو کیا ان سے اتفاقاً ایک ناخن " تراش بن سکتا ہے؟؟۔ "۔۔۔اس اتفاق پر دنیا کا کوئی ایویلوشنسٹ یا ملحد یقین نہیں کرے گا لیکن "خلیے" کے معاملے میں درکار لامتناہی اور ناممکن اتفاقات پر وہ اندھا یقین رکھتے ہیں۔

ایک خلیے نے ذاتی بقا کے بجائے اجتماعی بقا کیسے سیکھی تاکہ پیچیدہ جاندار جیسے پودے اور جانور بنائے جا سکیں؟؟؟جس کے تحت وہ نہ صرف اس جاندار کے اندر اپنی ایک مخصوص ذمہ داری سنبھالے گا بلکہ ایک پروگرام کے تحت مرے گا بھی؟؟؟

جبکہ نظریہ ارتقاء یا ڈارون ازم کے مطابق۔۔۔"جاندار زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہیں"۔۔۔

سب سے بڑھ کر بے عقل ذرات یا کچھ کیمیکلز نے مستقبل کی یہ ساری منصوبہ بندی کی کیسے ؟؟

ڈی این اے خلیے کے اندر پایا جانے والا ایک نہایت پیچیدہ کوڈ ہے جس میں اتنی معلومات ہوتی ہیں جو شائد انسائکلو پیڈیا یا ویکیپیڈیا میں ہوں۔

اگر یہ کہا جائے کہ۔۔۔ " بہت سے بندروں کو ٹائپ رائٹر کے سامنے بیٹھا دیا گیا جنہوں نے ٹائپ رائٹرز پر کئی ارب سال تک بے تکے انداز میں ہاتھ مارنے کے بعد اتفاقاً شیکسپئر کی طرح کا کوئی ڈراما تخلیق کر لیا"۔۔۔ تو اس بات کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا بمع نظریہ ارتقاء پر یقین رکھنے والوں کے۔۔۔۔

لیکن وہ سب اس بات پر بضد ہیں کہ خلیے کے اندر پایا جانے والا کائنات کا سب سے پیچیدہ کوڈ محض اتفاقاً لکھا گیا ہے۔۔!

نہ صرف یہ بلکہ اس نظریے کے مطابق ڈی این اے میں درج معلومات میں تابکاری جیسے بیرونی عوامل نے ایسی حادثاتی تبدیلیاں کیں جس سے نئے اور بہتر جانور وجود میں آئے۔ اسی کو میوٹیشن کہتے ہیں۔

مثلاً۔۔۔ بیرونی عوامل (تابکاری وغیرہ) نے اتفاقاً مچھلی کی ڈی این اے میں ایسی حادثاتی تبدیلیاں کیں کہ اس کو پانی میں رہنے کے لیے گلپھڑے، پر اور چھلکے مل گئے ؟

مچھر کے ڈی این اے کو ایسے متاثر کیا کہ اسکو اتفاقاً خون پینے کے لیے پائپ اور آرے کے ساتھ ایسا کیمکل بنانے کا

میکنزم بھی مل گیا جو خون کو جمنے نہیں دیتا۔۔۔؟

برفانی علاقوں میں رہنے والے ریچھ کے ڈی این اے کو اتفاقً ایسے انداز میں متاثر کیا ہے کہ اس کو موٹی کھال اور بال مل گئے تا کہ وہ برف میں رہ سکے۔۔۔؟

اونٹ کے ڈی این اے کو محض تکے سے ایسے متاثر کیا کہ اسکو پانی ذخیرہ کرنے کے لیے معدے میں ایک فالتو خانہ مل گیا اور نیچے سے نرم اور چوڑے پاؤں تا کہ صحرا میں گزارا کر سکے۔۔۔؟

نظریہ ارتقاء یہاں بے بسی کی تصویر نظر آتا ہے اور اسکے پاس ان "اتفاقات" کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔

نظریہ ارتقاء پیش کرنے والے ڈارون نے اپنے نظریے کے لیے سب سے زیادہ امیدیں فوسل ریکارڈ سے باندھی تھیں اور در حقیقت یہی اس نظریے کا سب سے بڑا ثبوت ہونا چاہئے تھا۔ لیکن فوسل ریکارڈ نے اس نظریے کے تابوت میں آخری کیل ٹونک دی ہے۔

ارتقائی اصول کے مطابق درمیانی شکل کے جانداروں کی تعداد دیگر موجود جانداروں سے سینکڑوں گنا زیادہ ہونی چاہئے اور اس طرح لازمً ان کے فوسلز بھی اسی تناسب سے سینکڑوں گنا زیادہ ملنے چاہئیں تھے۔۔۔۔!

لیکن ایک حیرت ناک اور ناقابل یقین بات ہے کہ لاکھوں ملنے والے فوسلز میں سے اب تک کوئی ایک بھی ایسا فوسل نہیں ملا جس کو ناقابل تردید "مسنگ لنک" (درمیانی شکل کا گمشدہ جانور) کہا جا سکے۔ جن فوسلز کو وقتاً فوقتاً مسنگ لنکس کہا جاتا رہا وہ ایک ایک کر کے یا فراڈ ثابت ہوئے یا وہ مسنگ لنکس تھے ہی نہیں ۔ ارتقاء اسکو بھی اتفاق ہی کہتا

ہے !!!

دوسری بات بہت سے ایسے جانداروں کے فوسل ملے ہیں جو کروڑوں سال بعد بھی بغیر کسی تبدیلی کے آج تک زندہ ہیں۔ ان میں ارتقاء کا عمل کیوں نہیں ہوا اور وہ کروڑوں سال بعد بھی ویسے کے ویسے کیوں ہیں؟ ارتقاء کے پاس اسکو بھی محض اتفاق کہنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

تیسری اہم ترین بات کہ فوسلز ریکارڈ جانداروں کو مختلف ادوار میں تقسیم کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن حیرت انگیز انداز میں ہر دور کے جاندار اچانک ہی زمین پر نمودار ہوتے اور اچانک ہی غائب ہوتے نظر آتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے اس پر ارتقاء اور فوسلز دونوں خاموش ہیں کیوں؟ شائد یہ بھی کوئی اتفاق ہی ہے۔۔۔۔؟؟؟

چند بے شعور اور اندھے بہرے کیمکلز نے کیسے شعور، عقل، اخلاقیات اور خدا تک کا تصور پیدا کیا؟

ارتقاء نامی نظریہ 100 سال بعد بھی اپنا "خود کا ارتقاء" نہیں کر سکا اور اب بھی وہیں کا وہیں کھڑا ہے۔ وہ اب تک محض ایک نظریہ ہی ہے سائنسی اصول نہیں بن سکا ہے کیوں؟

اس نظریے پر ہونے والی محنت، وقت اور سرمایہ حیاتیات کے دیگر ایسے شعبوں پر صرف کیا جا سکتا تھا جس سے نوع (انسانی کو کوئی فائدہ پہنچتا

مچل رس نامی ایولوشنسٹ سائنسدان تسلیم کرتا ہے کہ " نظریہ ارتقاء "سائنس نہیں بلکہ مذہب ہے اور یہ بات اس نظریے کے شروع میں بھی سچ تھی اور اب بھی سچ ہے۔"(اگر آپ سائنس میں مذہب نہین پڑھاسکتے تو نظریہ ارتقاء (کیوں پڑھایا جاتا ہے؟

چونکہ نظریہ ارتقاء کو الحاد سائنسی نظریہ کہتا ہے نہ کہ عقیدہ یا ایمان تب اسکو ثابت یا رد کیا جاسکتا ہے اور اب تک کی تحقیق نے اسکو صرف رد کیا ہے۔۔۔

اس لیے ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں سوائے اسکے کہ ہم دوسرے آپشن کی طرف جائیں۔ یعنی ہم یہ تسلیم کرلیں "کہ جاندار خود نہیں بنے بلکہ انکو تخلیق کیا گیا ہے اور ظاہر ہے۔۔۔۔" تخلیق کے لیے خالق کا وجود لازم ہے۔

ایک عظیم خالق کا وجود تسلیم کرنے کے بعد ان لامتناہی، محال، لایعنی اور احمقانہ "اتفاقات" سے ہماری جان چھوٹ جاتی ہے۔

☆☆

الحاد کے پاس اخلاقی پیمانے مقرر کرنے یا کسی کام کے اخلاقی لحاظ سے صحیح یا غلط ہونے کا کوئی واضح تصور موجود نہیں۔ در حقیقت وہ اس پر بات ہی نہیں کرتے۔

یہ ہونا چاہئے اور یہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں ہونا چاہئے اور کیوں نہیں ہونا چاہئے کوئی جواب نہیں۔ الحاد کی دنیا میں جھوٹ، دھوکہ، چوری غلط ہیں تو کیوں اگر صحیح ہیں تو کیوں؟۔

الحاد کہتا ہے کہ۔۔۔"ہم معاشرے کو بہتر بنانا چاہتے ہیں اور جھوٹ، دھوکہ، فریب وغیرہ معاشرے کے لیے نقصان دہ ہیں۔"۔۔۔ لیکن یہ جواز یا دلیل ایک فرد واحد پر کیسے کام کرتی ہے؟ اسکا الحاد کے پاس کوئی جواب نہیں۔ جبکہ فرد واحد ہی معاشرے کی اکائی ہوتا ہے۔

نظریہ الحاد کے مطابق۔۔۔ اس زندگی کے بعد کچھ نہیں۔

تب عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنی زندگی سے زیادہ سے زیادہ لذت کشید کر لیں۔ الحاد ہمارے اس مقصد کو غلط کیسے کہے گی؟؟؟ لیکن اگر ہمارا یہ مقصد صحیح ہے تو۔۔۔

کوئی انسان قانونی خطرے سے بچتے ہوئے چوری کر سکتا ہو تو کیوں نہ کرے؟

ماں یا بہن سے شادی کیوں نہ کرے؟

غیبت اور چغلی کیوں نہ کرے جبکہ وہ اس کے ذریعے اپنے مقابل سے آگے نکل سکتا ہے؟

کسی مرے ہوئے صحت مند انسان کا گوشت کیوں نہ کھائے جبکہ وہ ضائع ہو رہا ہو؟

وعدہ توڑنے میں خود کا کوئی نقصان نہ ہو تو کیوں نہ توڑے؟

مرتے ہوئے بھوکے شخص کو کھانا کیوں دے ؟

الحاد مجھے یہیں بیچ میں روکتے ہوئے دوبارہ کہے گا کہ۔۔۔۔ "ایک اچھے معاشرے کے قیام کے لیے۔۔۔ "تو میرا سوال پھر بھی وہیں کا وہیں رہے گا کہ۔۔۔۔۔ "اجتماعی مفاد پر انسان اپنا ذاتی مفاد کیوں قربان کرے ؟ جبکہ اسکے پاس صرف " یہی زندگی ہے ؟

مجھے بتائیں یہ "قربانی" کیسے عقل کے خلاف نہیں ؟

یہاں وضاحت کر دوں کہ کوئی ملحد اچھے اخلاق کا حامل ہو سکتا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ نہیں۔ معاملہ "اختیار" کیے گئے اچھے اخلاقیات کا ہے۔ یہ وہ اخلاقیات ہوتے ہیں جو کسی سبب سے اختیار کیے جائیں۔ انکا ان اخلاقیات سے کوئی تعلق نہیں جو ہر شخص اپنی الگ فطرت کے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔

الحاد کے پاس یہ کہنے کے سوا کچھ نہیں۔۔۔ "کہ لوگ خود ہی اخلاقی اقدار اپنائیں۔ " ۔۔۔ لیکن یہ فارمولہ صرف ان لوگوں پر کام کر سکتا ہے جو فطرتاً اچھے ہیں جو نہیں ہیں ان پر یہ فارمولہ کیسے کام کرتا ہے ؟ اسکا جواب نہیں۔۔۔!!

وہ یہ سارا معاملہ انسانوں کی فطرت پر چھوڑنے پر مجبور ہیں جو نہایت خطرناک ہے ! کیوں خطرناک ہے ؟

ذرا اپنے ارد گرد نظر ڈالیے۔ آپ کو دنیا میں جو جنگ و جدل اور فساد برپا نظر آرہا ہے اسکے پیچھے انسان کی فطرت میں موجود لالچ، ھوس اور کینہ وغیرہ بنیادی کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ جنگ و جدل اور فساد اکثریت کی فطرت کا مظہر ہے ۔

اس فطرت کے مالک انسانوں کو آپ یہ بتا رہے ہیں کہ۔۔۔ "آپ کے پاس صرف یہی زندگی ہے لیکن "معاشرے کی

"بہتری" کے لیے آپ بہت سی چیزوں سے اپنا ہاتھ روک لیں۔۔۔

لالچ، ھوس اور کینے سے بھری فطرت کا مالک، عقل کا پیکر یہ خود غرض انسان آپ کی بات کیوں مانے گا؟؟

ڈارون اور کارل مارکس جنکے نظریات پر الحاد کی عمارت کھڑی ہے اس پر متفق ہیں کہ۔۔ "زندگی بقا کی جدوجہد" ہے۔ آپ ذرا غور کریں صرف یہ نظریہ ہی انسان کو ایک خوفناک قسم کا جارحانہ اور خود غرضانہ طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

سوال یہ بھی ہے کہ اخلاقی پیمانے کون مقرر کرے گا۔ کسی معاملے پر آپکا نقطہ نظر صرف آپکا نقطہ نظر ہے کسی اور کا مختلف ہو گا۔ تو کس کا صحیح مانا جائیگا؟۔۔

ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اخلاقی پیمانے انسانوں سے ہٹ کر کوئی ہستی مقرر کرے اور ان کے لیے انسان کو لازمً جواب دہ ٹھہرائے۔ وہ ہستی لازمً ایسی ہونی چاہیۓ جو انسان کی نیتوں تک کا حال جانتی ہو۔

اپنی بے بسی سے تنگ الحاد بعض اوقات ایسی وضاحتیں پیش کرنے لگتا ہے جس سے کچھ بھی درست ثابت کیا جا سکتا ہے

smile emoticon

"یا اپنی ناکامی تسلیم کیے بغیر یہ سوال کرنے لگتا ہے کہ۔۔۔" خدا کا وجود ثابت کرو۔۔

حالانکہ ہم بار بار یاد دہانی کرواتے ہیں کہ اس کے وجود پر ہمارا "ایمان" ہے۔ جس کے لیے ہمیں کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ الحاد اپنے نظریے ثابت کرنے کا دعوی کرتا ہے تو کر کے دکھائے؟؟

الحاد کی اسی بے بسی نے ملحدین کی ایک ایسی قسم کو جنم دیا ہے جو خدا کا وجود تو تسلیم کرتے ہین لیکن مذاہب کا انکار کرتی ہیں۔

میں نظریہ الحاد کے تمام پیروکاروں اور اس تحریر کے پڑھنے والوں کو دعوت دیتا ہوں کہ۔۔۔"تم سب کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ص) اللہ کے رسول ہیں"۔۔۔تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

تحریر شاہد خان

وجود باری تعالی یعنی ہستی صانع عالم کے دلائل

عقلیہ سے ثبوت

پہلی دلیل---دلیل صنعت

تمام عقلاء اس بات پر متفق ہیں کے صنعت سے صانع (بنانے والا) کی خبر ملتی ہے مصنوع (جس کو بنایا گیا) اور صنعت

اور لامذہب لوگ بھی (atheist) کو دیکھ کر عقل مجبور ہوتی ہے کے صانع کا اقرار کرے اور دہریئے (factory) اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کے فعل کے لئے فاعل کا ہونا ضروری ہے. پس جبکہ ایک بلند عمارت اور ایک بڑا قلعہ اور اونچے مینار کو اور ایک دریا کے پل کو دیکھ کر عقل یہ یقین کر لیتی ہے کہ اس عمارت کا بنانے والا کوئی ضرور ہے اور اس منار اور پل کا بنانے والا کوئی بڑا ہی ماہر انجینیر ہے تو کیا آسمان اور زمین کی اعلیٰ ترین عمارت اور اسکی عجیب و غریب صنعت اور اسکی باقائدگی اور حسن ترتیب کو دیکھ کر ایک اعلیٰ ترین صانع کا کیوں اقرار نہیں کیا جاتا.

ایک تخت کو دیکھتے ہی یہ یقین آجاتا ہے کہ کسی کاریگر نے اس ہئیت اور وضع سے اس کو بنایا ہے کیونکہ تخت کا خود بخود تیّار ہو جانا اور خاص ترتیب کے ساتھ لوہے کی کیلوں کا اس میں جڑ جانا محال ہے کسی درخت کے تختوں اور لوہے کی کیلوں میں یہ قدرت نہیں کہ اس ترتیب سے خود بخود جڑ جائیں.

ایک دہری اور سائنس دان ایک معمولی گہڑی اور گھنٹہ کو دیکھ کر یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ کسی بڑے ہی ماہر کی ایجاد ہے اور کل سازی کے اصول سے پورا واقف ہے اور یہ یقین کر لیتا ہے کے ضرور بالضرور (digits) کے جو قوائد ہندسہ اس گھڑی کا کوئی بنانے والا ہے کہ جس نے عجیب انداز سے اسکے پرزوں کو مراتب کیا ہے اور جس کے ذریعہ اوقات کا بخوبی پتہ چلتا ہے حالانکہ وہ یہ امر بخوبی جانتا ہے کہ دنیا کی گھڑیاں اور گھنٹے وقت بتلانے میں بسا اوقات غلطی کرتے ہیں مگر چاند سورج جو کبھی طلوع اور غروب میں غلطی نہیں کرتے اور جنکے ذریعہ سارے عالم کا نظام حیات اور نظام اوقات چل رہا ہے، یہ دہری چاند اور سورج کے صانع کا اقرار نہیں کرتا اگر اس موقعہ پر کوئی یہ کہنے لگے کہ اس گھڑی کو ایک ایسے شخص نے بنایا ہے جو اندھا اور بھرا اور گونگا ہے اور نا سمجھ اور بے خبر اور علم ہندسہ سے بے بہرہ اور کل سازی

کے اصول سے ناواقف ہے تو کیا یہی فلسفی اور سائنسدان اس کہنے والے کو پرلے درجہ کا احمق نہ بتلائے گا؟ غرض یہ کہ جہاں صنعت اور کاریگری پائی جائیگی صانع کا تصور اور اقرار ضرور کرنا پڑے گا بلکہ صنعت کو دیکھ کر صرف صانع کا یقین ہی نہیں ہوتا بلکہ اجمالی طور پر صانع کا مرتبہ بھی معلوم ہو جاتا ہے پس کیا آسمان وزمین کی اعلی ترین صنعت کو دیکھ کر ہم کو یہ یقین نہیں ہو گا کہ اس کا صانع بھی بڑا ہی اعلی اور ارفع اور اعظم اور اجل اور عقل سے بالا اور برتر ہے کہ جس کے صنائع اور بدائع کے سمجھنے سے عقلاء عالم کی عقلیں قاصر اور عاجز ہیں.

یہ منکرین خدا جب بازار میں بوٹ جوتا خریدنے جاتے ہیں تو دکاندار سے پوچھتے ہیں کے یہ بوٹ کس کارخانہ کا بنا ہے تو وہ اگر جواب میں یہ کہے کہ یہ بوٹ کسی کارخانہ میں نہیں بنا ہے بلکہ یہ بوٹ خود مادہ اور ایتھر کی حرکت سے آپ کے پیر کے مطابق تیار ہو گیا ہے اور خود بخود حرکت کر کے میری اس دکان پر آگیا ہے تو منکر خدا صاحب دکاندار کے اس جواب کے متعلق کیا کہیں گے، غور کرلیں اور بتلائیں کہ کیا سمجھ میں آیا اور اپنے اوپر منطبق کریں.

اثبات صانع کی دوسری دلیل---وجود بعد العدم

ہر ذی عقل کو یہ بات معلوم ہے کہ میں ایک وقت میں معدوم (ناپید، فنا کیا گیا) تھا اور ایک طویل وعریض عدم (نیستی۔نہ ہونا۔ناپیدی) کے بعد موجود ہوا ہوں اور جو چیز عدم کے بعد وجود میں آئے اس کے واسطے کوئی پیدا کرنے والا اور اس کو عدم سے وجود میں لانے والا چاہیئے اور یہ بھی معلوم ہے کہ میرا خالق نہ میرا نفس ہے اور نہ

میرے ماں باپ اور نہ میرے جنس اس لئے کہ وہ سب میری طرح عاجز ہیں کسی میں ایک ناخن اور بال پیدا کرنے کی بھی قدرت نہیں اور نہ آسمان اور زمین اور نہ یہ عناصر اور نہ کواکب اور نہ یہ فصول میرے خالق ہیں اس لئے کہ یہ چیزیں بے شعور اور بے ادراک (بے عقل) ہیں اور ہر وقت متغیر (بدلتی) اور متبدل ہوتی رہتی ہیں ان میں یہ صلاحیت کہاں کہ ایک ذی علم اور ذی فہم انسان کو پیدا کر سکیں پس معلوم ہوا کہ میرا خالق کوئی ایسی چیز ہے کہ جو لاچارگی اور حدوث اور تغیر و تبدل اور عیب اور نقسان سے پاک ہے وہی ہمارا خدا اور معبود ہے۔

اثبات صانع کی تیسری دلیل---- تغیراتِ عالَم

موجودات عالم پر ایک نظر ڈالیے ہر ایک چھوٹی اور بڑی چیز حیوانات یا نباتات یا جمادات مفردات یا مرکبات جس پر نظر ڈالیے ہر لمحہ اس میں تغیر و تبدل ہے اور کون و فساد اور موت و حیات کا ایک عظیم انقلاب برپا ہے جو بآواز بلند پکار رہا ہے کہ یہ تمام متغیر ہونے والی (بدلنے والی) چیزیں حادث ہیں اپنی ذات سے کوئی بھی قدیم نہیں۔ کسی عظیم ترین ہستی کے زیرِ فرمان ہیں کہ وہ جس طرح چاہتا ہے ان کہ پلٹییں دیتا رہتا ہے اور طرح طرح سے ان کھو نچاتا رہتا ہے اور زیر و زبر کرتا ہے پس جس ذات بابرکت کے ہاتھ میں ان تغیرات اور انقلابات کی باگ ہے وہی ان سب کا خالق و موجد ہے۔

منکیرینِ خدا یہ کہتے ہیں کہ عالم کے یہ تغیرات اور تبدلات محض قانون طبعی اور قانون فطری کے تحت چل رہے ہیں ،اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ قانون طبعی اور قانون فطری صرف ایک آلہ ہے جو کسی بااختیار کاریگر کا محتاج ہے اس کاریگر کو ہم خدا کہتے ہیں جو اس آلہ کا محرک ہے اور وہی اس آلہ کا خالق بھی ہے وہی اپنے اختیار سے اس عجیب و غریب نظام کو چلارہاہے محض آلہ کو کاریگر سمجھ لینا اور یہ گمان کرلیتا کہ اس آلہ اور بسولہ (لکڑی چھیلنے کا آلہ)ہی نے تخت اور الماریاں تیار کر دی ہیں یہ ایک خیال خام ہے اور جو شخص یہ گمان کرے کہ بغیر کاریگر کے محض آلہ کی فطری اور طبعی حرکت سے یہ الماری تیار ہو گئی ہے تو وہ بلاشبہ دیوانہ ہے۔

اثبات صانع کی چوتھی دلیل-امکانِ اشیاء

واجب الوجود کی ہستی کی ایک دلیل یہ ہے کہ عالم میں جس قدر اشیاء موجود ہیں وہ سب کی ممکنات ہیں یعنی ان کا ہونا اور نہ ہونا وجود اور عدم ہستی اور نیستی دونوں برابر کے درجہ میں ہیں نہ انکا وجود ضروری ہے اور نہ ان کا عدم ضروری ہے اور جو چیز بذاتہ (خود سے) ممکن الوجود ہو یعنی اپنی ذات کے اعتبار سے اسکی ہستی اور نیستی برابر ہو اس کے وجود اور ہستی کے لئے عقلاً کسی مرجح (افضل) اور موجد (بانی) کا وجود ضروری ہے کیوں کہ کوئی چیز خود بخود یا محض اتفاق وقت سے بلا سبب عدم سے نکل کر وجود میں نہیں آسکتی جب تک اس کے وجود کے لئے کوئی سبب اور موجد نہ ہو کہ جو اس کو ترجیح دیکر اس کو عدم سے نکال کر وجود میں لائے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی جو بالبداہت محال ہے اور ہر ذی ہوش کے نزدیک ظاہر البطلان ہے کیوں کہ ممکن اپنی ذات اور ماہیت (کیفیت) کے لحاظ سے نہ موجود ہے اور نہ معدوم۔ وجود اور عدم دونوں اس کے حق میں یکساں ہیں پس ضرورت اس کی ہے کہ کوئی ذات ایسی ہو کہ جو اس کو

عدم ازلی (ہمیشہ کی نیستی / نہ ہونے) کے پنجرے سے نکال کر وجود کے دلفریب میدان میں لے آئے پس جس ذات نے اس عالم امکانی کو عدم سے نکال کر وجود کا خلعت (پوشاک) پہنایا اور اس کے وجود کو اس کے عدم پر ترجیح دی وہی ذات واجب الوجود ہے جس کو اہل اسلام خدا کی ہستی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۔

یہ بارونق جو ہے ہستی کا گلزار:: عدم سے کر دیا اس نے نمودار

اور واجب الوجود وہ ہے کہ جس کا وجود ضروری ہو اور ممکنات کے قبیل سے نہ ہو ورنہ، خفتہ راخفتہ کے کند بیدار (خفتہ –سویا ہوا، کند–سست کاہل) کی مثل صادق ہو گی کیوں کہ اگر وہ خود ممکن ہو گا تو اس کا وجود اور عدم اس کے حق میں یکساں ہو گا تو وہ دوسری چیز کے لئے وہ کیوں کر علت اور مرجح (افضل) بن سکے گا۔ پس جو واجب الوجود اور خود بخود موجود ہو اور دوسرے کے لئے واجب الوجود ہو اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔ خدا کو خدا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے۔

اثبات صانع کی پانچویں دلیل----فناء وزوال

عالم کی جس چیز کو بھی دیکھو تو اس کا وجود پائدار نہیں، ایک زمانہ تھا کو وہ پردہ عدم میں مستور تھی اور پھر اسی طرح ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں اس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ ۔

رہیں گے پھول نہ پھولوں میں رنگ و بو باقی::رہے گا اے میرے معبود ایک تو ہی باقی

یہ موت اور حیات کی کشمکش اور وجود و عدم کی آمد و رفت بآواز بلند یہ پکار رہی ہے کہ ہمارا یہ وجود ہمارا خانہ زاد اور خود ساختہ نہیں بلکہ مستعار اور کسی دوسرے کی عطا ہے جیسے زمیں پر دھوپ اور روشنی کی آمد و رفت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ روشنی زمین کی ذاتی نہیں بلکہ عطیۂ آفتاب ہے کہ حرکت طلوعی میں آفتاب اس کو عطا کرتا ہے اور حرکت غروبی میں اس کو واپس لے لیتا ہے اسی طرح ممکنات اور کائنات کا وجود اور عدم جس ذات کے ہاتھ میں ہے وہی واجب الوجود ہے جس کا وجود ذاتی ہے اسی کو ہم مسلمان اللہ اور خدا کہتے ہیں۔

اثبات صانع کی چھٹی دلیل----اختلاف صفات و کیفیات

زمین سے لے کر آسمان تک عالم کے تمام اجسام جسمیت کے لحاظ سے برابر ہیں اور جب چیزیں حقیقت اور ماہیت سے برابر ہوں تو جو کچھ ایک چیز کے لئے روا ہے وہی دوسرے کے لئے بھی روا ہے جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ آسمان جو بلند ہے اس کا نشیب اور پستی میں ہونا بھی روا ہے اور زمین جو پستی میں ہے اس کا بلندی میں ہونا بھی روا ہے اور آگ جو گرم اور خشک ہے اس کا سرد اور تر ہونا بھی روا ہے اور پانی جو سرد اور تر ہے اس کا گرم اور خشک ہونا بھی روا ہے پس جب اجسام میں تمام صفات اور کیفیات جائز اور روا ہیں تو پھر ہر جسم کے لئے ایک خاص

معیّن کیفیت اور معیّن شکل اور معیّن احاطہ اور معیّن مقدار کے لئے کوئی مؤثر مدبّر اور مقدّر مقتدر چاہئے کہ جس نے ان تمام جائز اور ممکن صفات اور کیفیات میں سے ہر جسم کو ایک خاص صفت اور خاص کمیّت اور خاص کیفیت اور خاص ہئیت کے ساتھ معیّن اور مخصوص کیا، کیوں کہ ہر جائز اور ممکن کے لئے کسی مرجح (افضل) کا ہونا ضروری ہے کہ جو کسی ایک جانب کو ترجیح دے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی پس وہی مؤثر مدبر اور مقدّر مقتدر اس عالم کا رب ہے۔

اثبات صانع کی ساتویں دلیل----دلیل حرکت

علامہ احمد بن مسکویہ الفوز الاصغر میں فرماتے ہیں کہ عالم کی جس چیز پر بھی نظر ڈالو وہ حرکات سے خالی نہیں اور حرکت کی چھ قسمیں ہیں

حرکتِ کَون(۱)

حرکت فساد(۲)

حرکتِ نمو(۳)

حرکت ذبول(۴)

حرکت استحالہ(۵)

حرکت نقل۔(۶)

اس لیے حرکت ایک قسم کے تبدل یا نقل کو کہتے ہیں اگر ایک شئ عدم سے وجود کی طرف حرکت کرے تو یہ حرکت کَون ہے اور اگر خرابی کی طرف حرکت ہو تو یہ حرکت فساد ہے اور اگر ایک کیفیت اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف حرکت ہو تو یہ حرکتا ستحالہ ہے اور اگر کمی سے زیادتی کی طرف ہو جیسے بچّہ کا بڑا ہو جانا اور پودہ کا درختہو جانا تو یہ حرکت نمو ہے اور افر زیادتی سے کمی کی طرف حرکت ہو جیسے کسی موٹے آدمی کا دبلا ہو جانا تو یہ حرکت ذبول ہے اور اگر ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف حرکت ہو تو یہ حرکت نقل ہے اس کی دو قسمیں ہیں مستقیمہ اور متدیرہ غرض یہ کہ عالم کے تمام عناصر اور جمادات اور نباتات اور حیوانات سب کے سب حرکت میں ہیں اور ان میں کسی شئ کی حرکت اس کی ذاتی نہیں اور کوئی چیز اپنی ذات سے متحرک نہیں اور عقلاً ہر متحرک کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس کے علاوہ اس کے لئے کوئی محرِّک ہو پس ضروری ہے کہ تمام اشیاء عالم کا بھی کوئی محرک ہو جس کی وجہ سے تمام اشیاء عالم حرکت میں آرہی ہیں پس وہ ذات جس پر کائینات عالم کی حرکت کا سلسلہ ختم ہوتا ہے وہی خدا ہے جو اس سارے عالم کو چلا رہا ہے اور طرح طرح حرکت دے رہا ہے جن کے انواع واقسام کے ادراک سے عقلاء عالم کی عقلیں قاصر اور عاجز اور درماندہ ہیں۔

اثبات صانع کی آٹھویں دلیل---حسن ترتیب

امام رازی فرماتے ہیں کہ ہستی صانع کی ایک دلیل یہ ہے کہ آسمان اور ستارے اور نباتات اور جمادات اور حیوانات کی ترتیب ہم اس طرح پر پاتے ہیں کہ حکمت کی نشانیاں اس میں ظاہر ہیں اور جس قدر زیادہ غور و فکر کرتے ہیں اسی قدر

یہ نشانیاں زیادہ معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ ہم آئیندہ فصلوں (پوسٹس) میں اس کی شرح اور تفصیل کرینگے اور بداہت عقل سے یہ جانتے ہیں کہ ایسی عجیب وغریب نشانیوں کا ظہور محض اتفاقی طور پر محال ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ایسے کامل اور قادر حکیم کے وجود کا اقرار کیا جائے جسے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے ان عجیب وغریب چیزوں کو عالم علوی اور سفلی میں ظاہر کیا ہے۔

قدرت کا نظام ہے بتاتا:: تو صانع ومنتظم ہے سب کا

اثبات صانع کی نویں دلیل---عاجزی اور درماندگی

ہر ذی ہوش اس امر کو بداہت عقل سے جانتا ہے کہ انسان جب کسی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اسباب اور وسائل اسکو جواب دے دیتے ہیں تو اس وقت اس کا دل بے اختیار عاجزی اور زاری کرنے لگتا ہے اور کسی زبردست قدرت والی ہستی سے مدد مانگتا ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ہر شخص فطری طور پر ہی جانتا ہے کہ کوئی دافع البلیات اور مجیب الداعوات اور حافظ وناصر اور دستگیر ضرور ہے جس کو انسان بیچارگی کی حالت میں بے اختیار اپنی دستگیری کے لئے پکارتا ہے اور اس کے روبرو گریہ وزاری کرتا ہے اور یہ امید رکھتا ہے کہ وہ دستگیر میری مصیبت کو ٹال دے گا پس وہی دستگیر ہمارے نزدیک خدا ہے جو سارے عالم کی سنتا ہے اور دستگیری کرتا ہے۔

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدرت کے ظہور

منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھکو ضرور

اثبات صانع کی دسویں دلیل---ذلّت وخواریِ اشیاء

اس کارخانۂ عالم کی جس چیز پر بھی نظر ڈالیے تو ذلّت وخواری اور احتیاج ہی ٹپکتی ہوئی نظر آئے گی جس سے بالبداہت

یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ محض بخت و اتفاق سے پیدا نہیں ہوا بلکہ کسی بڑے عزت و حکمت والے کے سامنے ذلیل و خوار اور اس کے حکم کا فرمانبردار ہے۔

آسمان، چھاند، سورج ستاروں کو دیکھے کہ ایک حال پر قرار نہیں کبھی عروج اور کبھی نزول کبھی طلوع اور کبھی غروب کبھی نور اور کبھی گہن ہے۔ آگ کو دیکھئے کہ تھامے نہیں تھمتی، ہوا کا حال یہ ہے کہ کبھی حرکت اور کبھی سکون اور حرکت بھی ہے تو کبھی شمال اور کبھی جنوب کی جانب اور کبھی مشرق اور کبھی مغرب کی جانب ہے۔ غرض یہ کہ ہوا ماری ماری پھرتی ہے اور پانی کا کرہ ہوا کے جھونکوں سے کہیں کا کہیں نکلا چلا جاتا ہے زمین کو دیکھے کہ اس کی پستی اور لاچاری اس درجہ میں ہے کہ مخلوق اس کہ جس طرح چاہتی ہے پامال کرتی ہے کوئی بول و براز سے اسے آلودہ کر رہا ہے اوع کوئی لید اور گوبر سے اس کو گندہ کر رہا ہے کوئی اس پر دوڑ رہا ہے اور کوئی اسے کھود رہا ہے مگر زمیں سر نہیں ہلا سکتی، حیوانات کو دیکھئے کہ وہ کس طتح لاچار ہیں کوئی ان پر سوار ہو رہا ہے اور کوئی ان پر بوجھ لاد رہا ہے اور کوئی ان کو ذبح کر رہا ہے اور تمام مخلوقات میں سب سے افضل یہ نوع انسانی ہے وہ ذلت اور احتیاج میں تمام مخلوقات سے بڑھا ہوا ہے۔ بھوک اور پیاس اور بول و براز صحت و مرض، گرمی و سردی اور قسم قسم کی ضرورتوں اور خواہشوں نے اس کو نچار کھا ہے حیوانات تو فقط کھانے اور پینے ہی میں محتاج ہیں اور حضرت انسان کے پیچھے تو حاجتوں کا ایک لشکر لگا ہوا ہے انسان کو کبڑا بھی چاہئے مکان بھی چاہئے گھوڑا گاڑی بھی چاہئے، عزت اور منصب اور جاگیر بھی چاہئے بیاہ شادی بھی چاہئے بیماری کی حالت میں طبیب اور ڈاکٹر بھی چاہئے بغیر ان کے زندگی دوبھر ہے اور حیوانات کو ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ حیوان کو نہ لباس کی ضرورت ہے اور نہ بیماری میں لسہ ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ حیوان بغیر کسی میڈیکل کالج میں تعلیم پائے خود بخود اپنی بیماری کے مناسب جڑی بوٹیوں کو کھا کر شفایاب ہو جاتا ہے پس جب انسان کہ جو باتفاق اہل عقل اشرف المخلوقات ہے اس قدر ذلیل اور حاجت مند اور محکوم ٹھرا کہ ہر طرگ سے حاجتیں اور

ضرورتیں اس کی گردن پکڑے ہوئے ہیں اور باقی عالم کی ذلت وخواری کا حال آسمان سے لیکر زمین تک مکمل طور پر معلوم ہی ہو چکا تو پھر کیوں کر عقل باور کر سکتی ہے کہ یہ سارا کارخانہ خود بخود چل رہا ہے کائینات عالم کی اس ذلت و خواری اور مجبوری ولاچاری کو دیکھ کر بے اختیار دل میں آتا ہے کہ ان کے سر پر کوئی ایسا زبردست حاکم ہے جو ان سے ہر دم مثل قیدیوں کے بیگاریں لیتا ہے تاکہ یہ مغرور نہ ہو جائیں اور کسی کو ان کی بے نیازی کا گمان نہ ہو بیشک یہ قید میں رکھنے والی زبردست اور غالب ہستی واجب الوجوب اور الہ العالمین کی ہے۔

ایں جہاں آئینہ دار روئے تو::ذرہ ذرہ رہ نماید سوئے تو

مادہ پرست بتلائیں کہ ہماری یہ بے شمار قسم قسم کی ضرورتیں اور حاجتیں کون پوری کر رہا ہے آیا مادہ اور اس کی حرکت سے پوری ہو رہی ہیں یا کسی خداوند کریم سے پوری ہو رہی ہیں

وجود باری تعالٰی کے دلائل

یہ مضمون اس امر کا تحقیقی جائزہ ہے کہ وجود باری تعالٰی کے متعلق دین اسلام کونسا عقلی و منطقی مقدمہ پیش کرتا ہے؟

عمومی طور پر ہم کسی بھی واقعہ، شخصیت یا فلسفے کو جانچنے کے لئے پانچ تحقیقی میعارات اختیار کرتے ہیں. ان پانچ میں سے

اگر کوئی ایک بھی صحت کے ساتھ ہم پر ثابت ہو جائے تو ہم اسے ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں

1. فطرت کی گواہی
2. عقلی استدلال
3. تاریخ کی شہادت
4. معتبر گواہ
5. قابل اعتبار ثبوت

میں ان پانچوں حوالوں سے وجود خدا اور دین کے مقدمے کو انشااللہ ثابت کروں گا اور آپ دیکھیں گے کہ کسی سلیم العقل شخص کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ اپنے خالق کا انکار کر سکے

فطرت کا تقاضہ

اس سے پہلے کہ ہم قرانی یا منتقی دلائل کو پیش کریں، ضروری ہے کہ یہ جائزہ لیا جائے کہ کیا ہماری عقل و فہم خالق کے وجود کا تقاضہ کرتی ہے؟ کیا ہماری فطرت ایک برتر ہستی کے نظریے کو آگے بڑھ کر قبول کرتی ہے کیونکہ اگر ہماری فطرت میں یہ تقاضہ ہی موجود نہیں ہے تو پھر تو یہ ایسا ہے کہ ایک شخص کو پیاس نہ لگی ہو اور آپ زبردستی اسے

پانی پلانے لگیں. ایسے میں اسکا جسم پانی اگل دیگا کیونکہ اس میں طلب ہی نہیں ہے. سوال یہ ہے کہ کیا انسان میں ایک خالق کی پیاس ہے؟ کیا اسکی فطرت اپنا پروردگار طلب کرتی ہے؟

تاریخ انسانی اس بات پر گواہ ہے کہ انسان نے ہر دور میں اور ہر علاقے میں ایک برتر ہستی کے تصور کو تسلیم کیا ہے. ایک ثابت شدہ چیز کو ثابت نہیں کیا جاتا بلکہ اسکے رد کرنے والے سے استدلال طلب کیا جاتا ہے. انسانیت کی عدالت نے تاریخی اعتبار سے خدا کے وجود میں پیش کی ئے جانے والے مقدمے کو قبول کیا ہے، اب آپ لاکھ ان ثبوت و دلائل کا انکار کریں، اس تاریخی سچ کو بدلنے کی آپکی حیثیت نہیں ہے. یہ دعویٰ انسانیت نے ہر دور میں اجتماعی حثیت سے قبول کیا ہے، اب اگر کچھ سر پھرے اٹھتے ہیں اور انسانیت کے اس متفقہ فیصلے کو رد کرتے ہیں تو ان سے پوچھا جائے گا کہ استدلال پیش کریں. یہ بلکل ایسا ہی ہے جیسے انسان یہ خوب جانتا ہے کہ ممتا کا جذبہ ماں میں الہامی طور پر ودیعت شدہ ہے، اسکا اظہار مختلف ماحول میں مختلف طریق سے ہو سکتا ہے مگر اس جذبے کا فطری ہونا سب کو قبول ہے. اسی طرح ایک خالق کا تصور ہمیشہ ہر ماحول میں انسانیت کا مشترکہ اثاثہ رہا ہے، اسے کبھی اللہ، کبھی خدا، کبھی پرماتما اور کبھی آسمانی باپ کہہ کر پکارا گیا. نام جو بھی دیں مگر ایک برتر ہستی کے تصور کو انسانیت نے ہمیشہ آگے بڑھ کر قبول کیا

خدا کا تصور صرف گرد و پیش سے پیش نہیں ہوتا، اللہ کا تصور ہم محض تجربات و مشاہدات سے نہیں پاتے، یہ ایک فکری مغالطہ ہے. حقیقت یہ ہے کے اس کی کونپل فطرت کی گود میں پروان پاتی ہے یہ اندر سے باہر کا سفر شروع کرتا ہے. یہی وجہ ہے کہ ایک بچہ چاہے وہ امریکہ میں پیدا ہوا ہو یا پاکستان میں، چین سے تعلق رکھتا ہوں یا افریقہ کے زولو قبیلے سے.. وہ اپنے والدین سے بچپن میں یہ سوال ضرور کرتا ہے کہ مجھے کس نے بنایا؟ یا میں کہاں سے آیا؟. آپ اسے کہتے ہیں کہ میں نے تمہیں درخت سے توڑ لیا یا ایک فرشتہ ہمیں دے گیا یا مارکیٹ سے خرید لیا. آپ اس بچے کو

مطمئن کرنے کیلیئے جو بھی جواب دیں، مگر اس کا یہ معصوم سوال اس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے کہ خدا کے وجود کی طلب انسان کے اندر فطری طور پر موجود ہے. انسانی رویوں پر کی جانے والی بہت سی تحقیقات، جن میں آکسفورڈ یونیورسٹی کی حالیہ تحقیق بھی شامل ہے، وہ سب یہی بتاتی ہیں کہ انسان میں فطری و جبلی طور پر ایسے داعیات موجود ہیں جو اسے ایک خدا پر ایمان رکھنے پر آمادہ کرتے ہیں. تحقیق میں یہ بھی بتایا گیا کہ سخت ترین ملحد بھی انتہائی مشکل حالت میں بے اختیار ایک برتر ہستی کو پکار اٹھتا ہے

تو دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا

بس جان گیا میں، تیری پہچان یہی ہے

عقل کا استدلال

پس یہ تو ثابت ہو گیا کہ اللہ کے وجود کی پہلی گواہی، پہلا مطالبہ انسان کے اندر سے وقوع پزیر ہوتا ہے. اب ذرا اس بات کا بھی جائزہ لے لیتے ہے کہ کیا انسان کا عقلی تقاضہ بھی یہی ہے کہ ایک خالق کے تصور کو تسلیم کیا جائے؟ یا نہیں. اب میں ایک کے بعد ایک کچھ عقلی تناظر پیش کرونگا، جنکا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے والا ہر شخص ضرور یہ جان لے گا کہ خالق کے وجود کو تسلیم کرنا نہ صرف فطرت کا تقاضہ ہے بلکہ عقل کی آواز بھی ہے

۱. انسان کا جسمانی وجود

میں جب کسی حضرت سے ملتا ہوں جو اللہ کے وجود کے منکر ہوں تو ان سے سوال پوچھتا ہوں کہ بھائی آپ کی آنکھوں کے وجود کا کیا مقصد ہے؟ وہ ایک لمحہ سوچے بنا جواب دیتے ہیں کہ 'چیزوں کو دیکھنا'... میں پوچھتا ہوں کہ آپ کے کانوں کے وجود کا کیا مقصد ہے؟ فوری جواب ملتا ہے کہ 'آواز کو سننا'.. میں پوچھتا ہوں کہ یہ کہیے کے آپ کہ ہاتھوں کے وجود کا کا کیا مقصد ہے؟ جواب آتا ہے کہ 'چیزوں کو تھامنا'.. میں مزید استفسار کرتا ہوں کہ آپ کی ٹانگوں کے وجود کا کیا مقصد ہے؟ جھنجھلا کر کہتے ہیں کہ 'بھائی چلنا اور کیا؟!'.. میں آخری سوال پوچھتا ہوں کہ حضرت آپ کے اپنے وجود کا کیا مقصد ہے؟........... یہ وہ مرحلہ ہے جب میرا مخاطب پھٹی آنکھوں سے میری جانب دیکھتا ہے اور کچھ نہیں کہہ پاتا. لوگ پورا یقین رکھتے ہیں کہ ہر شے جس کا وجود ہے اس کا ایک مقصد ہے. لیکن اپنے وجود کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ وہ بغیر کسی مقصد کے اس دنیا میں موجود ہیں. یہ کیسی حماقت ہے؟

۲. انسان کا غیبی و نفسی وجود

جب میں کہتا ہوں کہ فلاں کام 'میں' نے کیا ہے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ 'میں' ہے کون؟؟... کیا اس سے مراد میرا جسمانی وجود ہے؟ اگر ایسا ہے تو کیا ہو جو میرا خدانخواستہ ایکسیڈنٹ ہو جائے اور میں اپنے ہاتھ یا پیر یا آنکھ سے محروم ہو جاؤں؟.. سوچنا یہ ہے کہ کیا پھر بھی میں 'میں' رہوں گا؟؟... جواب ہے کہ بلکل رہونگا. میرے کسی حصے کے جسم سے الگ ہو جانے سے میری 'میں' کو کوئی فرق نہیں پڑتا. ثابت ہوا کہ یہ 'میں' میرا جسمانی وجود نہیں ہے بلکے یہ تو اس جسمانی ہیولے کے اندر چھپا کوئی نادیدہ روحانی وجود ہے جو مجھے 'میں' بناتا ہے. ہم اس وجود کا مشاہدہ نہیں کر سکتے لیکن

ہماری اصل حقیقت یہی غیبی وجود ہے. جسطرح ہم اپنی اس چھپی ہوئی ذات کا براہ راست مشاہدہ نہیں کر سکتے لیکن پھر بھی اپنی 'میں' کے ہونے پر یقین رکھتے ہیں، اسی طرح اللہ کی ذات کا مشاہدہ بھی ہمارے ادراک سے باہر ہے مگر اس سے ہر گز یہ دلیل نہیں لی جا سکتی کہ وہ موجود نہیں ہے. بلکہ ہمارا اپنی غیبی وجود، اس بر تر غیبی وجود کے ہونے پر قوی دلیل ہے

۳. ارتقاء میں ذہانت

کسی منکر خدا سے سوال کیجیے کہ بھائی یہ آپ کی ناک آپ کے چہرے پر کیوں واقع ہے ؟ نظریہ ارتقاء کے اعتبار سے ایسا کیوں نہ ہوا کہ آپ کی یہ ناک مبارک آپ کے پیٹ یا گھٹنے پر نکل آتی ؟ یہ ہی کیوں ضروری تھا کہ اسکا وجود عین آپ کی آنکھوں کے نیچے اور منہ کے اوپر یعنی ان دونوں کے درمیان واقع ہو ؟... اس سوال کا جواب اس حقیقت کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ دراصل ایک 'ذہانت بھرے ڈیزائن' کا نتیجہ ہے. ہم آنکھوں سے کسی شے کا جائزہ لیتے ہیں پھر ناک سے اسے سونگھ کر مزید جانتے ہیں اور پھر اگر اسے کھانے کے لائق پائیں تو منہ سے اسے چکھتے ہیں یا کھا جاتے ہیں. یہ خوبصورت 'ذہانت بھرا ڈیزائن' ایک ایسی ذہین ہستی کے وجود کا واشگاف اعلان کر رہا ہے جس نے اسے سوچ سمجھ کر وجود بخشا ہے.--بس وہی خدا ہے.

یاد رکھیں انسان لاکھ غلطیاں کر کے بھی انسان رہ سکتا ہے مگر خدا ایک غلطی کر کے خدا نہیں رہ سکتا. وہ ہر طرح کی کوتاہی سے پاک ہے. قرآن اللہ کا قول ہے اور سائنسی دریافت اللہ کا فعل. کسی بھلے آدمی کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہوا کرتا پھر اللہ رب العزت کے قول و فعل میں تضاد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.

۴. کائنات کی تکوین

گلاس کو زمین یا دیوار پر دے ماریں، وہ دھماکے سے کرچی کرچی ہو کر زمین پر بکھر جائے گا. آپ ایسا ایک بار کیجی ئے یا ہزار دفعہ، نتیجہ ہمیشہ تباہی کی صورت میں ہی نکلے گا. ایسا ممکن نہیں ہے کہ وہ گلاس خود بخود ٹوٹ کر پلیٹ یا چمچوں کا روپ دھار لے. ایسا تو صرف اسی صورت ممکن ہے جب اس دھماکے کے پیچھے کوئی ذہانت یا صاحب عقل ہو، جو اسے منظم کر کے اسکی صورت گری کرے. یہ ہمارا روز کا مشاہدہ ہے کہ دھماکے کا نتیجہ ہمیشہ تخریب کی صورت میں نکلتا ہے ،اس کے زریعے خود بخود ترتیب و تعمیر ممکن نہیں ہو سکتی. پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آج سے کروڑوں سال قبل بگ بینگ نامی ایک دھماکہ ہو جس سے ہماری یہ عظیم الشان کائنات اور اسکا ناقابل یقین نظم خود بخود وجود میں آ گیا ہو؟ لازم ہے کہ اس عظیم دھماکے کے پیچھے بھی ایک عظیم تر ذہانت موجود ہو. قران اور سائنس دونوں بگ بینگ کے نظریے کی تائید کرتے نظر آتے ہیں مگر کسی منکر خدا اور مومن میں فرق یہ ہے کہ ایک فریق اندھے بہرے مجنون مادے کی خدائی کو تسلیم کرتا ہے اور دوسرا فریق برتر ذہانت والے مسبب الاسباب خدا کے نظریے کو مانتا ہے. ملحد کا دعوایہ ہوتا ہے کہ گلاس ٹوٹ کر خود بخود ڈنر سیٹ بن سکتا ہے، جبکہ مومن کہتا ہے کہ گلاس کو ڈنر سیٹ بنانے کے لئے ذہانت درکار ہے.

یہ زمین یہ فلک ان سے آگے تلک

جتنی دنیائیں ہیں، سب میں تیری جھلک

۵. تحریر شدہ خلیات

ایک تجربے کے طور پر سیاہی کو کسی بھی سادہ کاغذ پر بکھیر دیجی ئے، یہی عمل آپ ہزار دفعہ دوہرائیں، ممکن ہے کہ ہر بار ایک بھدا سا نشان پڑ جائے. یہ بھی امکان ہے کہ کسی وقت ایک جاذب نظر نقش ابھر آئے، جیسے کوئی ایبسٹریکٹ

آرٹ کا نمونہ. مگر اس بات کا سرے سے کوئی امکان نہیں کہ اس سیاہی کو بکھیرنے سے کوئی تحریر وجود میں آجائے. یہ نہیں ہو سکتا کہ محض سیاہی کو پھینکنے سے کسی زبان کا مضمون تشکیل پا جائے. ثابت ہوا کہ امکانی یا حادثاتی قسمت سے یہ تو پھر شائد کسی کمتر درجے میں ممکن ہو کہ ایک دلکش نقش دکھائی دینے لگے مگر یہ ناقابل یقین ہے کہ کسی حادثے یا اتفاق کے نتیجے میں ایک تحریر یا معلومات پیدا ہو سکیں. اب ذرا اس سائنسی حقیقت پر غور کریں کہ ہمارا جسم جن لاکھوں کروڑوں خلیات پر مبنی ہے، ان میں سے ہر خلیہ اپنے اندر ایک معلومات کی ضخیم کتاب رکھتا ہے، جس میں یہ درج ہوتا ہے کہ وہ انسان کیا رنگ رکھے گا؟ کیا رویہ اپنائے گا؟ اسکے خدوخال کیسے ہونگے؟ وغیرہ. جس طرح انسانوں نے کمپیوٹر کے لئے مختلف کوڈ ایجاد کر رکھے ہیں، اسی طرح ہمارے ان خلیات میں ہمارے خالق نے ایسے کوڈ قدرتی طور پر ڈال رکھے ہیں جو آپس میں نہ صرف گفتگو کرتے ہیں بلکہ اسکے زریعے مختلف جسمانی حرکات انجام دیتے ہیں. سائنسدان اس طرح کے کوڈ کو -ڈی این اے کوڈ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں. سمجھنے والوں کے لئے یہ ایک واضح نشانی ہے کہ اس ذہین ترین نظام کو چلانے والی ایک برتر ذہانت موجود ہے.

عقل کا ہونا عاقل خالق کی گواہی .٦

ایک سوال اور ذہن پر دستک دیتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا محض اجزاء کی کیمیائی ترکیب سے ایک عاقل، ذہین اور باشعور وجود کا بن جانا ممکن ہے؟ اگر کوئی کہتا ہے کہ ہاں ممکن ہے تو ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہم مردہ انسانی اجزاء کو آپس میں جوڑ کر ایک جیتا جاگتا عاقل وجود کھڑا کر دیں؟ ہمارا معاملہ تو یہ ہے کہ باوجود تمام تر علمی دریافتوں کے، ہم ایک باشعور وجود تو درکنار محض زندگی پیدا کر دینے سے بھی قاصر ہیں. یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ انسان نے خود بیشمار تخلیقات کی ہیں، جن میں بہت سی تخلیقات ذہین بھی ہیں جیسے کمپیوٹر یا روبوٹ وغیرہ. مگر ان تمام ذہین تخلیقات میں جو قدر

مشترک ہے وہ یہ ہے کہ کسی تخلیق کو ذہین بنانے کے لئے اس میں ذہانت باہر سے ڈالنی پڑتی ہے، یہ اندر سے نہیں پھوٹتی. دوسرے لفظوں میں ذہانت کی اپنی جداگانہ حیثیت ہے اور یہ صرف اجزاء کی ترتیب سے از خود حاصل نہیں ہوسکتی. کمپیوٹر کی مثال لیجئے، آپ اس کے بیرونی اور اندرونی اجزاء کو جوڑ کر اسے میکانکی حرکت میں تو لا سکتے ہیں مگر اس میں ذہانت ڈالنے کے لئے آپ کو لازمی ایک جدا سافٹ وئیر کو انسٹال کرنے کی ضرورت ہوگی. محض ہارڈ وئیر کو ترتیب دے لینے سے یا اس میں برقی توانائی کے بہاؤ سے آپ 'ذہانت' نہیں پیدا کرسکتے. انسانی جسم کی ترتیب کا بھی یہی معاملہ ہے، آپ حد سے حد جسمانی و کیمیائی اجزاء کو ہارڈ وئیر کی طرح یکجا کرسکتے ہیں مگر اس میں ذہانت پیدا کرنے کے لئے لازم ہے کہ نفس (سول) نام کا سافٹ وئیر منطبق کیا جائے. اسکے علاوہ کسی اور رائے کا اظہار محض حقیقت سے فرار ہے. کمپیوٹر ایک زہین تخلیق ہے اور وہ اپنے وجود سے یہ منادی کررہی ہے کہ میرا تخلیق کار انسان ایک عظیم تر ذہانت کا مالک ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان نامی یہ زہین مخلوق بناء کسی خالق کے خود بخود وجود پا جائے؟

غیر فانی طاقت کا عقلی اعتراف .۷

لطف کی بات یہ ہے کہ ملحدین سائنس کے قانون توانائی (لاء آف تھرموڈائیں مکس) کو بڑے زور و شور سے مانتے ہیں، جس کے حساب سے توانائی کو نہ پیدا کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے ختم کیا جاسکتا ہے. سادہ الفاظ میں توانائی غیر فانی ہے. لیکن اگر کہیں غلطی سے کوئی یہی صفات خدا کے نام سے بیان کردے تو سمجھیں قیامت آگئی. مومنین اور منکرین خدا کی جماعت میں بس اتنا فرق ہے کہ ایک مجنون مادے یا توانائی کی خدائی کو تسلیم کرتا ہے اور دوسرا فریق برتر ذہانت والے مسبب الاسباب کی خدائی کا قائل ہے. ملحد کا دعوایہ ہوتا ہے کہ گلاس ٹوٹ کر خود بخود ڈنر سیٹ بن سکتا ہے جبکہ مومن کہتا ہے کہ گلاس کو ڈنر سیٹ میں ڈھالنے کے لئے ذہاںت لازمی درکار ہے.

حاضر کو دیکھ کر غیب پر یقین .۹

ہم ایک تصویر کو دیکھتے ہیں اور ایک مصور ہونے کا ہمیں یقین ہو جاتا ہے حالنکہ ہم نے مصور کو نہیں دیکھا ہوتا. ہم ایک گھر کو دیکھتے ہیں اور اسکے معمار کے وجود پر بناء دیکھیے ایمان لے آتے ہیں. الیکٹران، پروٹون جیسی بے شمار سائنسی حقیقتیں ایسی ہیں جن کا ہم نے آنکھ سے مشاہدہ نہیں کیا بلکہ علمی طور پر سمجھا ہے. اسکی ایک بڑی مثال کشش ثقل کی ہے، کشش ثقل کو آج تک کسی سائنسدان نے نہیں دیکھا مگر اسکے اثرات کا جائزہ لیکر ہم پورے اطمینان سے اسے ایک سائنسی حق تسلیم کرتے ہیں. عقل محسوس سے غیر محسوس کا استنباط کرتی ہے، حاضر سے غیر حاضر کا سراغ پالتی ہے

۱۰. مخلوق میں مقصدیت

گائے چارہ کھاتی ہے ہرا، اس سے اسکا خون بنتا ہے لال، پھر وہ گوبر کرتی ہے پیلا... وہ چارہ میرے کسی کام کا نہیں، وہ خون میرے لیے شریعت میں حرام اور وہ گوبر اپنے اصل میں میرے لئے نجس!.... یہ میرا پروردگار ہے جس نے اس حرام اور نجس کے بیچ میرے لئے دودھ کی صاف اور پاک فیکٹری لگا رکھی ہے. ذرا سوچیے! مچھلی کے بچے کو تیرنا کس نے سکھا دیا؟ سانپ کا سنپولا رینگنا کیسے سیکھ گیا؟ ایک مرغی کا چوزا انڈے کے خول میں دوڑنا بھاگنا کیسے جان گیا؟ ایک ناپاک پانی کے قطرے سے جیتا جاگتا باشعور انسان کیسے اٹھا کھڑا ہوتا ہے؟ ایک ماں کے سینے میں بچے کے پیدا ہوتے ہی دودھ کیسے اتر آتا ہے؟ آپ شیر کو گھانس دیں، وہ کبھی نہیں کھائے گا. آپ بکری کو گوشت پیش کریں، وہ صاف منہ پھیر لیگی کہ میرا پرہیز ہے. شیر کو گوشت دیں وہ کھائے گا، بکری کو گھانس دیجئے وہ کھائے گی. انہیں یہ سمجھ کون سمجھا گیا؟ اس کائنات کا زرہ زرہ زبان حال سے گواہی دے رہا ہے کہ

کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے.. وہی خدا ہے

دکھائی بھی جو نہ دے نظر بھی جو آ رہا ہے.. وہی خدا ہے

آپ نے دیکھا کہ نہ صرف فطری بلکہ عقلی طور پر بھی اس کائنات اور ہمارے اپنے وجود کی توجیح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ایک برتر ذہانت والے رب کے تصور کو قبول کریں. یہ چند عقلی دلائل ہیں جو میں نے پیش کر دیئے، اسی طرح بیشمار اور زاویے بھی ہیں جو میں طوالت کے پیش نظر نہیں لکھ رہا. اس یقین کے ساتھ کہ ہر سلیم الفطرت شخص کے لئے مندرجہ بالا عقلی استدلال بہت کافی ہیں

==

مندرجہ بالا دلائل صرف خدا کے وجود کے ہونے پر وکالت کرتے ہیں اور کسی بھی سچے طالب حق کی تلاش کے لئے کافی ہیں. ان دلائل کو اسلام کے مقدمہ سے نہیں بلکہ محض فطری و عقلی استدلال سے و پیش کیا گیا ہے. مجھے امید ہے کہ اس مقام پر آپ کو ایک برتر ہستی یا خالق کی موجودگی پر کوئی شک باقی نہ رہا ہو گا. لیکن اگر اب بھی کوئی ذہنی اشکال ہے تو آگے پڑھنے کے بجائے اپر درج استدلال کو ایک بار اور غور سے پڑھیں اور پھر دیانتداری سے اسکے منتقی یا غیر منتقی ہونے کا فیصلہ کریں. مجھے یقین ہے کہ ہر صاحب شعور ایک صاحب اختیار خالق کو ماننے پر خود کو راضی پائے گا.

==

اب ہم مزید زاویوں سے اللہ کی موجودگی کا جائزہ لیں گے اور اب آزادانہ استدلال اسلام کی جانب سے بھی پیش ہو گا. اک ملحد اور مسلم میں بس اتنا فرق ہوتا ہے کہ ملحد کے بقول "کوئی خدا نہیں" اور مسلم کے بقول "کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے"، آدھا ایمان تو ملحد و مسلم کا مشترک ہے، بس اب دوسرے حصہ کو پرکھنا ہے

جو'لا' کہا، وہ'لا' ہوا

وہ'لا' بھی اسمیں'لا' ہوا

جزو'لا' ہوا، کل'لا' ہوا

پھر کیا ہوا؟ اللہ ہوا

نسل در نسل علمی تواتر

ہم بہت سی حقیقتوں کو نہ فطرت کی گواہی سے مانتے ہیں اور نہ ہی عقلی استدلال سے، بلکہ ان تک ہم علمی تواتر سے پہنچتے ہیں. ہم جانتے ہیں کہ غالب ایک شاعر گزرا ہے اور دیوان غالب ان ہی کا کلام ہے. ہم مانتے ہیں کہ افلاطوں ایک عظیم. فلسفی گزرا ہے، اس نے 'دی ریپبلک' تصنیف کی تھی. ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ سکندر اعظم تاریخ میں ایک بہت بڑا فاتح. رہا ہے. کیا آپ نے کبھی سوچا؟ کہ ہم میں سے کوئی بھی ان شخصیات سے نہیں ملا لیکن ہم انکے وجود اور پیغام پر یقین رکھتے ہیں. وجہ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ انکی ذات و تعلیمات کی خبر ہم تک نسل در نسل متواتر پہنچی ہے. دین کا مقدمہ اور وجود خدا کی شہادت بھی ہم تک اسی اسلوب سے نسل در نسل پہنچی ہے. تاریخ ثابت کرتی ہے کہ اللہ اور اسکے کلام کی خبر انسانیت کو کسی ایک وقت میں کسی ایک آدمی سے نہیں ملی بلکہ پے در پے رسول ہر دور میں اور ہر

علاقے میں معبوث ہوئے جنکی صداقت کو انسانیت نے رنگ و نسل سے بلند ہو کر محض صداقت کی بنیاد پر قبول کیا

آپ سے پوچھوں کہ آپ کے دادا کے دادا کے دادا کے دادا اس دنیا میں کبھی موجود رہے ہیں؟ تو آپ کا یقینی جواب ہو گا کہ ہاں موجود رہے ہیں، مگر کیا ہو اگر میں آپ سے اسکا ثبوت مانگوں؟ کیا آپ کبھی ان سے ملے ہیں؟.. آپ کے پاس اپنے دعوی کی دو ہی ممکنہ دلیلیں ہو سکتی ہیں. پہلی یہ کے آپ کا اپنا اس دنیا میں موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے دادا. کے دادا کے دادا بھی کبھی موجود رہے ہونگے. دوسرا یہ کہ انکے وجود کی خبر آپ تک نسل در نسل ہوتی ہوئی اپ کے دادا اور والدین سے پہنچی ہے لہٰذا آپ پورے اطمینان سے انکے وجود کا یقین رکھتے ہیں. اسی اصول پر آپ اب وجود خدا اور دین کے عمومی مقدمے کو دیکھ لیں، تخلیق کا موجود ہونا خالق کے ہونے پر دلیل ہے اور اس خالق کے پیغام کی گواہی چاہے وہ پیغمبر ہوں، صحیفے ہوں یا معجزات ہم تک نسل در نسل منتقل ہوتی آئی ہے

معتبر گواہ

اللہ عزوجل نے انسانیت کی تربیت کے لیے ہر دور میں اپنی الہامی کتاب نازل کی. ان کتابوں کا بنیادی مقدمہ ہمیشہ یکساں رہا. قران کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو تمام انبیاء کو عطا کیا گیا اور ہر کتاب ایک آنے والے آخری نبی کی بشارت دیتی رہی. وہ توحید کا عقیدہ ہو یا سزا و جزا کی خبر، وہ ملائکہ و جنات پر ایمان کا معاملہ ہو یا وحی و تقدیر پر ایمان کا تقاضہ. تمام ایمانیات اسی طرح سے سابقہ الہامی کتابوں میں درج ہیں جس طرح قران حکیم میں

. مذکور ہیں

یہی معاملہ من وعن عبادات کے حوالے سے بھی ہے، لہٰذا سابقہ مذاہب میں تحریف کے باوجود آج تک نماز کے حوالے سے پرستش کا تصور موجود ہے، چیرٹی کے نام پر زکات وصدقات کی ترغیب ہو یا روزہ، قربانی وحج کی دیگر روایات، تمام تر مالی وبدنی عبادات اصولی سطح پر ہر نبی کی امت کو عطا کی گئی. یہ اور بات ہے کہ انکے اظہار کی حرکات و سکنات اور وقت کا تعین زمانی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف رکھا گیا ہے جو

کے معمولی وثانوی بات ہے

یہاں یہ بات تو واضح ہوتی ہے کہ دین کا اصل مقدمہ تمام تر تحریفات کے باوجود بھی اپنی اصل میں یکساں ہے. مگر کوئی بھی عدالت کسی مقدمے کو سمجھنے کے لئے معتبر گواہ کا مطالبہ کرتی ہے. اسلام کا مقدمہ یوں تو سب ہی پیغمبروں نے پیش کیا لیکن معلوم تاریخ میں اسکے نمائندہ گواہ و مبلغ رسول عربی محمد صلی اللہ الیہ وسلم ہیں. اب یہ جائزہ لینا ہو گا کہ کیا انکی گواہی کردار و تعلیمات کے حساب سے معتبر ہے؟

. اگر غور کریں تو کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ صرف تین صورتوں میں ہی کر سکتا ہے

. پہلا یہ کہ وہ کردار کے لحاظ سے جھوٹا ہو

. دوسرا کہ وہ ذہنی حوالے سے دھوکے زدہ ہو

. اور تیسرا یہ کے وہ اس دعوے سے کوئی مال ورتبے کا حصول چاہتا ہو

جب ہم محمد (ص) کی حیات کہ جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں فوری معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تینوں الزام آپ (ص) پر نہیں لگ

سکتے.

پہلا اعتراض

نبوت سے پہلے ہی تمام اہل مکہ آپ کو اس درجے میں سچا تسلیم کرتے تھے کہ آپ کا لقب ہی صادق اور امین رکھ دیا گیا. لہذا تاریخ و منطق کے حساب سے آپ ہر گز جھوٹے نہ تھے.

دوسرا اعتراض

جب آپ (ص) کے اکلوتے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو اسی وقت سورج گرہن ہو گیا، صحابہ نے کہا کہ یہ ضرور رسول (ص) کا معجزہ ہے. آپ (ص) نے ارشاد فرمایا کہ نہیں!! سورج گرہن ایک قدرتی مظہر ہے اور اس کا ہونا نہ ہونا کسی کی زندگی موت سے وابستہ نہیں ہے. اگر آپ (ص) کسی ذہنی دھوکے کا شکار ہوتے تو کبھی اس کی تردید نہ فرماتے.

تیسرا اعتراض

یہ بھی سچ ہے کہ جب شدید مشکل کے دور میں سردار مکہ نے یہ پیشکش رکھی کہ وہ آپ کو حکومت دینے، مال و دولت دینے اور خوبصورت عورتیں فراہم کرنے کو تیار ہیں، بس شرط اتنی ہے کہ آپ دعوت دین ترک کر دیں تو آپ (ص) نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی لا رکھو تو میں کلمہ

حق کہنے سے باز نہ آؤں گا. جب آخر میں حکومت، شہرت اور طاقت حاصل بھی ہوئی تو آپ نے دانستہ اپنے لیے فقر یعنی غربت کا انتخاب کیا تا کہ کل کوئی انگلی اٹھا کر یہ نہ کہہ سکے کہ آپ (ص) نے دین کی محنت مال ورتبے کے لیے کی. جو کوئی دیانت داری سے آپ کی زندگی کا جائزہ لے گا وہ آپ (ص) کی حقانیت کو ضرور جان لے گا.

معتبر شہادت / ثبوت

یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ گواہ کی قبولیت کے لئے اسکا قابل اعتبار ہونا ضروری ہے، جو الحمد اللہ ہم نے اپر اختصار سے بیان کر دیا. البتہ گواہ کے ساتھ ساتھ کوئی بھی عدالت ثبوت کا بھی تقاضہ کرتی ہے. یوں تو تمام الہامی کتابیں دین کے مقدمے کا ثبوت ہے مگر اس کی سب سے بڑی اور محفوظ شہادت قران حکیم ہے.

تاریخ گواہ ہے کہ ماضی میں بہت سے افراد نے نبوت کا جھوٹا دعوا کیا اور کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے میں بھی کامیاب رہے مگر رسالت کا جھوٹا دعوا کوئی نہ کر پایا. وجہ یہ ہے کہ رسول صرف پچھلے پیغمبروں کی تائید ہی نہیں کرتا بلکے ایک الہامی کتاب بھی پیش کرتا ہے کسی صحیفے یا کتاب کو خدائی کلام کہنا اتنی بڑی جرات اور ہمت کا کام ہے کہ کوئی فریبی اسکا ارتکاب نہیں کر سکتا. اگر کوئی کر بھی بیٹھے تو کامیاب نہیں ہو سکتا. لہٰذا رسول عربی محمد (ص) کے بعد جتنے بھی افراد دین کی تعبیر لے کر آۓ انہوں نے یا تو نبوت و رسالت کا دعوا سرے سے کیا ہی نہیں جسے کہ گرونانک، گرور جنیش اوشو، سائیں بابا وغیرہ یا پھر اگر دعوا کیا بھی تو رسالت کا نہیں بلکے نبوت کا جھوٹا دعوا کیا جسے کہ مرزا قادیانی، مسلمہ کذاب، بہاالدین بہائی وغیرہ.

اس کتاب کے الہامی ہونے کے اتنے دلائل ہیں کہ اگر مجھ جیسا ناقص العلم بھی اسے بیان کرے تب بھی ایک پوری کتاب اسی موضوع پر درکار ہو. لہٰذا یہاں قران کے صرف اسلوب و زبان کے حوالے سے مختصر اشارے کی ئے جاییں گے

سورہ یٰسین کی چالیسویں آیت میں ارشاد ہے کہ " نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے۔ اور آسمان میں سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں "، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ قران نے عربی کے جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے وہ کچھ یہ ہیں " کل فی فلک .. یسبحون ".. غور کیجئے آپ " کل فی فلک " کو دونوں جانب سے پڑھیں گے تو ایک ہی جملہ بنے گا یعنی یہ الفاظ بھی تسبیح کے مدار کی طرح گھوم رہے ہیں (ک ل ف 'ی 'ف ل ک). کیا یہ کسی انسان کے لئے ممکن ہے کہ وہ جملے میں اپنا... مدعا بیان کرتے ہوے اس جملے کی عملی شکل بھی اس پیغام کے مطابق کر دے ؟.. ایک اور مثال ملاحظہ ہو سورہ مدثر کی تیسری آیت میں اللہ رب العزت نے محمد (ص) کو حکم دیا ہے کہ " اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو ".. خوبصورت بات یہ ہے کہ یہاں بھی جن الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ ہیں " ربک فکبر ".. دونوں جانب سے پڑھ کر دیکھ لیجیے ایک ہی جملہ وجود اور ایک ہی ترتیب وجود پزیر ہو گی. (ر ب ک 'ف 'ک ب ر). یہاں صرف دو امثال بیان کی گئی ہیں ورنہ قران اپنی زبان اور اسلوب دونوں حوالوں سے عجائب کا خزانہ ہے

قرآن مجید میں اعداد کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے جو اس کلام کے الہامی ہونے کی دلیل ہے. قرآن میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ الیہ سلام کی مثال بلکل حضرت آدم الیہ سلام جیسی ہے. حیرت انگیز طور پر دونوں پیغمبروں کا ذکر

پچیس پچیس بار آیا ہے. قرآن میں لفظ مرد یعنی 'رجل 'کا ذکر چوبیس بار آیا ہے اور عورت یعنی 'امرا 'کا ذکر بھی چوبیس بار آیا ہے. قرآن میں شیطان کا ذکر اڑسٹھ ۶۸ بار آیا ہے اور فرشتے کا ذکر بھی اڑسٹھ ۶۸ بار ہی آیا ہے. قرآن اس دنیا کی زندگی کا ایک سوپندرہ ۱۱۵ بار تذکرہ کرتا ہے اور آخرت کی زندگی کا بھی ایک سوپندرہ ۱۱۵ بار ذکر کرتا ہے. ہم میں سے ہر ایک بتاسکتا ہے کہ سال میں تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں لیکن سوچنے کہ قرآن دن یعنی یوم لفظ کا استعمال پورے تین سو پینسٹھ بار کرتا ہے. قرآن پاک میں سورہ توبہ کی آخری آیات میں اللہ عزوجل نے صاف فرمادیا ہے کہ اس نے ہر ایک چیز عدد میں گن رکھی ہے. ہر باشعور انسان جو دیانت داری سے غور کرے، اسکے لئے کوئی اس کتاب کے الہامی ہونے سے انکار کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا

How to discover GOD?

اک مراسلہ پیشِ خدمت ہے ___ پڑھنے سے پہلے بھول جایئے آپ صاحب دین ہیں یالادین ___ سائینسی دماغ جو شعور کے موجد کہے جاتے ہیں ______ کیا کہتے ہیں _____؟ بعد میں فیصلہ آپ پہ

خدا کی دریافت کا معاملہ کوئی اکیڈمک معاملہ نہیں، یہ ہر انسان کا ایک ذاتی سوال ہے۔ ہر عورت اور مرد فطری طور پر اُس ہستی کو جاننا چاہتے ہیں جس نے اُن کو وجود دیا۔ میں بھی دوسروں کی طرح، اس سوال سے دوچار ہوا ہوں۔ میری پیدائش ایک مذہبی ماحول میں ہوئی۔ اِس کے اثر سے میں روایتی طور پر خدا کو ماننے لگا۔ بعد کو جب میرے شعور میں پختگی (maturity) آئی تو میں نے چاہا کہ میں اپنے عقیدے کو ریزن آوٹ (reason out) کروں۔ اِس

معاملے کی تحقیق کے لیے میں نے تمام متعلق علوم کو پڑھا۔ جیسا کہ معلوم ہے، خدا کا موضوع تین شعبوں سے تعلق رکھتا ہے فلسفہ، سائنس اور مذہب۔ یہاں میں فلسفہ اور سائنس کی نسبت سے اپنے کچھ تجربات بیان کروں گا۔

سب سے پہلے مجھے فلسفہ میں اِس سوال کا ایک جواب ملا۔ مطالعہ کے دوران میں نے فرانس کے مشہور فلسفی رینے ڈیکارٹ (وفات: 1650) کو پڑھا۔ وہ انسان کے وجود کو ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا کہ میں سوچتا ہوں، اس لیے میں ہوں:

I think, therefore I am.

ڈیکارٹ کا یہ فارمولا جس طرح انسان کے وجود پر منطبق ہوتا ہے، اُسی طرح وہ خدا کے وجود کے لیے قابل انطباق (applicable) ہے۔ میں نے اِس قول پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ انسان کا وجود خدا کے وجود کو قابل فہم بناتا ہے:

Existence of man makes the existence of God understandable.

خدا کے وجود کے بارے میں یہ میرا پہلا فلسفیانہ استدلال تھا۔ میں نے کہا کہ میرا وجود ہے، اس لیے خدا کا بھی وجود ہے:

I am, therefore God is.

فلسفہ کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ تقریباً تمام فلسفی کسی نہ کسی طور پر ایک برتر ہستی کا اقرار کرتے تھے۔ اگرچہ انھوں نے "خدا" کا لفظ استعمال کرنے سے احتراز کیا، لیکن کچھ دوسرے الفاظ بول کر وہ خدا جیسی ایک ہستی کی موجودگی کا اعتراف کرتے رہے۔ مثلاً جرمنی کے مشہور فلسفی فریڈرک ہیگل (وفات: 1831) نے اِس برتر ہستی کو ورلڈ سپرٹ (world spirit) کا نام دیا، وغیرہ۔

اِس کے بعد میں نے چاہا کہ میں سائنسی طریقِ استدلال (scientific method) کے ذریعے اِس معاملے کی تحقیق کروں۔ سائنسی مطالعہ میں جو مسلّمہ طریقہ استعمال کیا جاتا ہے، وہ مشاہدات پر مبنی ہوتا ہے۔ مگر اس مشاہداتی استدلال کے دو دور ہیں۔ سائنس کا مطالعہ جب تک عالمِ کبیر (macro world) تک محدود تھا، اُس وقت تک اس استدلال کا صرف ایک طریقہ رائج تھا۔ لیکن جب سائنس کا مطالعاتی سفر عالمِ صغیر (micro world) تک پہنچ گیا تو اِس استدلال میں ایک تبدیلی واقعہ ہوئی۔ وہ یہ کہ پہلے اگر مشاہداتی استدلال (observational argument) کو درست مانا جاتا تھا، تو اب استنباطی استدلال (inferential argument) کو بھی یکساں طور

درست (valid) مانا جانے لگا، یعنی پہلے اگر آرگومینٹ فرام سین ٹو سین (argument from seen to seen) کا اصول رائج تھا تو اب آرگومینٹ فرام سین ٹو اَن سین (argument from seen to unseen) کا اصول بھی درست استدلال کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔ اِن دونوں طریقوں کو فنی زبان میں اِس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

1. Observation, hypothesis,verification

2. Hypothesis, observation, verification

ایک سادہ مثال سے اس معاملے کی عملی وضاحت ہوتی ہے۔ مثلاً آپ سیب کو شمار کرنا چاہتے ہیں تو آپ کہتے ہیں دو سیب جمع دو سیب، برابر چار سیب۔ یہ مشاہداتی استدلال کی ایک مثال ہے۔ دوسرے استدلال کی مثال یہ ہے کہ نیوٹن (وفات: 1727) نے دیکھا کہ ایک سیب درخت سے گر کر نیچے آیا۔ یہ ایک مشاہدہ تھا۔ اُس نے سوچنا شروع کیا کہ سیب درخت سے ٹوٹ کر اوپر کیوں نہیں گیا، وہ نیچے کیوں آ گیا۔ اِس سوچ کے بعد وہ ایک استنباط تک پہنچا، وہ یہ کہ زمین میں قوتِ کشش ہے۔ اِس کے بعد اُس نے دوسرے متعلق شواہد (relevant data) کا جائزہ لیا تو اِس بات کی تصدیق ہو گئی کہ اس کا استنباط درست (valid) تھا۔

سائنسی میتھڈالوجی کو سمجھنے کے لیے میں نے بہت سی کتابیں پڑھیں۔ یہاں میں ایک کتاب کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ یہ مشہور برٹش فلسفی برٹرینڈ رسل (وفات 1970) کی کتاب ہیومن نالج (Human Knowledge) ہے۔ اِس کتاب میں مصنف نے بتایا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں چیزوں کا علم، سچائیوں کا علم

Knowledge of things, knowledge of truths.

چیزوں کی دریافت میں مشاہداتی طریقِ استدلال کارآمد ہے، لیکن خدا کے وجود کا معاملہ سچائی کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس لیے اس معاملے میں وہی استدلال قابل انطباق ہے جس کو استنباطی استدلال (inferential argument) کہا جاتا ہے۔

میری ملاقات ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص سے ہوئی۔ وہ فلسفہ کے پروفیسر تھے۔ اُن سے خدا کے وجود کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے دوران انھوں نے ایک سوال کیا۔ انھوں نے کہا کہ خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے آپ کے پاس کرائٹیرین کیا ہے:

What criterion do you have to prove the existence of God?

میں نے جواب دیا کہ وہی کرائٹیرین جو آپ کے پاس اِس نوعیت کی کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے ہو:

Same criterion that you have to prove anything else.

اِس کے بعد میں نے اُن کے سامنے مذکورہ طریقِ استدلال کی وضاحت کی۔ میں نے کہا کہ خدا کے وجود کا معاملہ سچائی (truth) کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ سچائی کی نوعیت کی کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے جس کرائٹیرین کو استعمال کرتے ہیں، اُسی کرائٹیرین کو خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے استعمال کیجئے، اور پھر آپ جان لیں گے کہ خدا کا وجود بھی اُسی علمی معیار سے ثابت ہوتا ہے، جس علمی معیار سے اس نوعیت کی دوسری چیزیں ثابت ہو رہی ہیں۔

سنجیدہ اہلِ علم نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ مثلاً برٹرینڈ رسل نے اعتراف کیا ہے کہ تھیالوجین عام طور پر خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے وہ طریقہ استعمال کرتے ہیں جس کو ڈزائن سے استدلال (argument from design) کہا جاتا ہے۔ برٹرینڈ رسل کے مطابق، یہ طریقہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے پورے معنوں میں سائنسی منطق (scientific logic) پر مبنی ہے۔ اس لیے یہ استدلال اصولی طور پر اتنا ہی حقیقی ہے، جتنا کہ کوئی دوسرا سائنسی استدلال۔ اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے:

Where there is design, there is designer and when designer is proved, the

existence of God is also proved

.

اشیاء کا سائنسی مطالعہ 1969 میں شروع ہوا، جب کہ اطالوی سائنس داں گلیلیو (وفات 1642) نے ابتدائی دور بین کے ذریعے ستاروں کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد دور بینی کے ذریعے زیادہ بڑے پیمانے پر آسمانی مشاہدہ (telescope) ممکن ہو گیا۔ اِس کے بعد الیکٹرانک دور بین ایجاد ہوئی جس کو 1990 میں امریکا کی ہبل آبزرویٹری میں نصب کیا گیا۔

اس قسم کے مطالعے کے ذریعے معلوم ہوا کہ تقریباً 15 بلین سال پہلے خلا میں بگ بینگ کا واقعہ ہوا جس کے بعد ستاروں اور سیاروں کی موجودہ دنیا وجود میں آئی۔ اِس کے بعد تقریباً ایک بلین سال پہلے لٹل بینگ (little bang) وجود میں آیا۔ اس کے بعد سیارہ ارض پر واٹر بینگ (solar system) ہوا جس کے ذریعے موجودہ شمسی نظام ہوا اور زمین پانی سے بھر گئی۔ اس کے بعد زندگی اور زندگی سے متعلق تمام چیزیں پیدا ہوئیں۔ (water bang)

نے ایک خصوصی (NASA) بگ بینگ کے واقعہ کے مزید مطالعے کے لیے 1989 میں امریکہ کے ادارہ ناسا خلا میں بھیجا۔ اِس سٹلائیٹ نے بالائی خلا کی جو تصویریں (cosmic Background Explorer) سٹلائیٹ موجود ہیں۔ تصویر میں ان (ripples) بھیجی ہیں، اُن سے معلوم ہوا ہے کہ کائنات کے بیرونی حصے میں لہر دار سطح نے کہا وہ کون خدا تھا جس نے یہ نشانیاں لکھ (Boltzmann) لہروں کو دیکھ کر ایک مغربی سائنس داں بولٹز من دیں:

Who was the God who wrote these signs?

یہ بات صرف بگ بینگ سے نکلی ہوئی لہروں تک محدود نہیں ہے، بلکہ کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار چیزوں کا معاملہ بھی یہی ہے۔ ایک سنجیدہ انسان جب کائنات کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے وہ کون خدا تھا جس نے اِن تمام نشانیوں کو لکھا:

Who was the God who wrote these signs?

کائنات کا جب سائنسی مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پوری کائنات ایک بے نقص (zero-defect) کائنات ہے۔ وسیع خلا میں بے شمار ستارے اور سیارے مسلسل طور پر حرکت میں ہیں، مگر ہمارے شہروں کے برعکس، خلا میں کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوتا۔ گویا کہ عظیم خلا میں نہایت وسیع پیمانے پر ایک ایکسیڈنٹ فری ٹریفک (accident-free traffic) قائم ہے۔ ہماری زمین پر نیچر روزانہ بہت سے واقعات ظہور میں لارہی ہے۔ یہ گویا ایک عظیم صنعتی نظام ہے۔ مگر یہ نظام زیرو ڈیفیکٹ انڈسٹری (zero-defect industry) کی سطح پر چل رہا ہے۔ بے مثال کائناتی کنٹرول اور یہ آفاقی توازن پکار رہا ہے کہ بلاشبہ اس کے پیچھے ایک عظیم خدا ہے جو اِن واقعات کو ظہور میں لا رہا ہے۔

پائی جاتی ہے۔ ایک چھوٹے ذرے (planning intelligent) کائنات میں واضح طور پر ایک ذہین منصوبہ بندی سے لے کر عظیم کہکشانی نظام تک یہ منصوبہ بندی نمایاں طور پر ہمارے مشاہدے میں آتی ہے۔ یہ منصوبہ بندی کار فرما ہے یہ عقیدہ اتنا ہی سائنسی (mind) بلاشبہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ اِس کائنات کے پیچھے ایک بہت بڑا ذہن کے وجود کو ماننا۔ (X-Rays) ہے، جتنا کہ ایکس رے کی قابلِ مشاہدہ تصویر کو دیکھ کرنا قابلِ مشاہدہ ایکس ریز

موجودات کے مشاہدے سے ایک عظیم حقیقت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اُس میں جگہ جگہ یکسانیت کے ساتھ استثناء اُس کو کہا جاتا ہے جو عام(exception) کی مثالیں موجود ہیں۔ استثناء(exception amidst uniformity) : قانون کے خلاف ہو، جو عام قانون کی پابندی نہ کرے

Exception: That does not follow the rule.

نیچر میں اس معاملے کی ایک سادہ مثال یہ ہے کہ ہر عورت اور ہر مرد کے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ یہ انگلیاں ہر ایک جیسا(finger print) ایک میں یکساں طور پر ہوتی ہیں۔ لیکن ہر ایک کے ہاتھ میں اس کے انگوٹھے کا نشان نہیں ہوتا۔ ہر ایک نشان دوسرے کے نشان سے الگ ہوتا ہے۔ اس عموم میں یہ استثناء ایک برتر ہستی کی بالقصد مداخلت کے بغیر ممکن نہیں۔

نیچر میں اِس قسم کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ سائنس دانوں کے اندازے کے مطابق، خلا میں تقریباً125 بلین کہکشائیں (galaxy) موجود ہیں۔ ہر کہکشاں کے اندر تقریباً200 بلین ستارے پائے جاتے ہیں۔ لیکن شمسی نظام (solar system) ایک استثنائی نظام ہے جو صرف ہماری اُس قریبی کہکشاں میں پایا جاتا ہے جس کو ملکی وے (milky way) کہا جاتا ہے۔ عظیم کائنات میں یہ استثناء ایک طاقتور ہستی کی بالقصد مداخلت کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا:

Exception means intervention, and when intervention is proved, intervenor is also proved. And intervenor is only the other name of God.

ہماری کہکشاں جس میں شمسی نظام واقع ہے، وہ اس نوعیت کی ایک انوکھی مثال ہے۔ مطالعہ بتاتا ہے کہ اس کہکشاں کا درمیانی حصہ ناقابل برداشت حد تک گرم ہے۔ اگر چہ ہمارا شمسی نظام، کہکشاں کے درمیانی حصے میں ہو تو ہماری زمین پر کسی قسم کی زندگی اور نباتات کا وجود ہی ممکن نہ رہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ ہمارا شمسی نظام، کہکشاں کے ایک کنارے واقع ہے۔ اِس بنا پر کہکشاں کے پُر خطر درمیانی ماحول کے اثر سے بچا ہوا ہے۔ یہ استثناء واضح طور پر ایک منصوبہ بند مداخلت کا ثبوت ہے، اور منصوبہ بند مداخلت بلاشبہ خدائے برتر کی موجودگی کا ثبوت ہے۔

ہمارے شمسی نظام کے اندر بہت سے سیارے (planets) پائے جاتے ہیں۔ اُنھیں میں سے ایک سیارہ وہ ہے جس کو

پر گھومتے ہیں۔ مگر ہماری زمین اپنے مدار پر گردش کرتے (orbit) زمین کہا جاتا ہے۔ دوسرے تمام سیارے مدار
ایک انتہائی (double rotation) پر بھی گھومتی ہے۔ زمین کی یہ دہری گردش (axis) ہوئے اپنے محور
استثنائی گردش ہے جو کسی بھی ستارے یا سیارے میں نہیں پائی جاتی۔ یہ استثناء اِس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کے پیچھے
ایک ایسے برتر عامل کو تسلیم کیا جائے جس نے اپنی خصوصی مداخلت کے ذریعے یہ بامعنٰی استثناء خلا میں قائم کر رکھا
ہے۔

ہماری زمین پر استثناء کی ایک ایسی انوکھی مثال پائی جاتی ہے، جو ساری کائنات میں کہیں بھی موجود نہیں، یہ لائف
ہے۔ اِس لائف سپورٹ سسٹم کے بغیر زمین پر انسان کا یا کسی اور نوعِ (life support system) سپورٹ سسٹم
حیات کا وجود ممکن نہ تھا۔ لائف سپورٹ سسٹم کا یہ استثنائی انتظام خدا کی موجودگی کا ایک ایسا ثبوت ہے جس کا انکار
کوئی سنجیدہ انسان نہیں کر سکتا۔

البرٹ آئن سٹائن (وفات: 1955) کو بیسویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا سائنسی دماغ مانا جاتا ہے۔ آئین سٹائن نے
پائی ۔ یہ (meaning) کائنات کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ اُس نے کائنات کے ہر حصے میں حیرت ناک حد تک معنویت
دیکھ کر اُس نے کہا کہ عالم فطرت کے بارے میں سب سے زیادہ ناقابلِ فہم بات یہ ہے کہ وہ قابلِ فہم ہے:

The most incomprehensible fact about nature is that it is comprehensible

آئن سٹائن اپنے اِس قول میں بالواسطہ طور پر خدا کے وجود کا اقرار کر رہا ہے۔ اگر اس کے قول کو بدل کر کہا جائے تو وہ اِس طرح ہو گا کہ خدا کے بغیر عالمِ فطرت مکمل طور پر نا قابلِ فہم رہتا ہے، اور خدا کے ساتھ عالمِ فطرت مکمل طور پر قابلِ فہم بن جاتا ہے:

Without God, nature is totally incomprehensible, and with God, nature becomes totally comprehensible.

ہے۔ سائنس داں وہ لوگ ہیں جو کائنات کا نہایت (meaningful world) کائنات بلاشبہ ایک با معنی کائنات
گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ عام انسان کے مقابلے میں کائنات کی معنویت سے بہت زیادہ واقف ہوتے
"ہیں۔ چنانچہ سائنس دانوں نے عام طور پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ سائنس داں اپنے مخصوص مزاج کی بنا پر "خدا
کا لفظ بولنے سے احتراز کرتے ہیں۔ لیکن نام کے بغیر وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔(God)

میں (The Mysterious Universe) مثلاً برٹش سائنس داں سر جیمز جینز(وفات:1947)نے اپنی کتاب
کی شہادت دیتی ہے۔ برٹش عالمِ فلکیات سر فریڈ ہائل(mathematical) کہا ہے کہ کائنات ایک ریاضیاتی ذہن
intelligent) (وفات 2001)نے اس حقیقت کا اعتراف یہ کہہ کر کر لیا ہے کہ ہماری کائنات ایک ذہین کائنات

نے اقرار کیاہے کہ کائنات کے پیچھے ایک (Paul Davis) ہے۔امریکی سائنس داں پال ڈیویز (universe

موجود ہے۔ برٹش سائنس داں سر آرتھر اڈنگٹن (وفات:1944) نے (conscious being) باشعور ہستی

:اِس حقیقت کا اعتراف یہ کہہ کر لیاہے کہ کائنات کا مادہ ایک ذہین مادہ ہے

The stuff of the world is mind-stuff.

خدا کا وجود بلاشبہ اُس طرح ایک ثابت شدہ واقعہ ہے جس طرح کوئی اور ثابت شدہ واقعہ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کا وجود صرف ایک پُراسرار عقیدہ کی بات نہیں، خدا کا وجود اُس طرح ایک علمی مسلّمہ ہے جس طرح کوئی اور علمی مسلّمہ۔ اب یہ سوال ہے کہ خدا ایک ہے یا کئی خدا ہیں جو کائنات کی تخلیق اور اس کے انتظام کے ذمے دار ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ خدا کا عقیدہ شرک پر مبنی ہے یا توحید پر۔ اس معاملے میں علم کا فیصلہ مکمل طور پر توحید کے حق میں ہے۔

(superstitions) برٹش سائنس داں نیوٹن کو جدید سائنس کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ نیوٹن سے پہلے دنیا میں توہمات

،مون گاڈ (sun god) کا زور تھا۔ اُس وقت یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ خداؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مثلاً سن گاڈ

،وغیرہ۔ نیوٹن نے اِس معاملے کا سائنسی مطالعہ کیا۔ اُس نے کہا کہ چار (rain god) ،رین گاڈ (moon god)

:ہیں جو کائنات کے نظام کو کنٹرول کرتی ہیں۔ وہ چار طاقتیں یہ ہیں (forces) طاقتیں

(gravitational force) ا۔ قوتِ کشش

(electromagnetic force) ۔برقی مقناطیسی قوت2

(strong nuclear force) ۔طاقت ور نیوکلیر قوت3

(weak nuclear force) ۔کمزور نیوکلیر قوت4

پائی جاتی تھی کہ یہ (harmony) مگر سائنسی مطالعے کے ذریعے جو دنیا دریافت ہوئی، اُس میں اتنی زیادہ ہم آہنگی ناقابلِ تصور تھا کہ اتنی زیادہ ہم آہنگ کائنات کو کئی طاقتیں کنٹرول کر رہی ہیں۔ اس لیے سائنسی ذہن اس تعداد پر مطمئن نہ تھا۔ مختلف سائنس داں اِس تعداد کو گھٹانے کے لیے کام کر رہے تھے، یہاں تک کہ 1979 میں ایک نئی تحقیق سامنے آئی۔ اِس تحقیق کے مطابق، کائنات کو کنٹرول کرنے والی طاقتیں چار نہیں تھیں، بلکہ وہ صرف تین تھیں۔ اِس دریافت تک پہنچنے والے تین نوبل انعام یافتہ سائنس داں تھے۔ اُن کے نام یہ ہیں:

Sheldon Glashow (b. 1932),

Steven Weingberg (b. 1933)

Dr. Abdussalam (d. 1996)

تاہم سائنسی ذہن تین کی تعداد پر بھی مطمئن نہ تھا۔ وہ اِس تعداد کو مزید گھٹا کر ایک تک پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ کام برٹش سائنس داں اسٹفن ہاکنگ (پیدائش:1942) کے ذریعے انجام پایا۔ اسٹفن ہاکنگ کو نظریاتی سائنس میں سب سے بڑا زندہ سائنس داں مانا جاتا ہے۔ اس نے پیچیدہ ریاضیاتی حساب (mathematical calculations) کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ صرف ایک طاقت (force) ہے جو پوری کائنات کو کنٹرول کر رہی ہے۔ یہ نظریہ اب تعلیم یافتہ طبقے کے درمیان ایک مسلّمہ کے طور پر مان لیا گیا ہے۔ عمومی زبان میں اس کو سنگل اسٹرنگ نظریہ (string theory single)۔کہا جاتا ہے

سنگل اسٹرنگ نظریہ گویا کہ ایک خدا (توحید الٰہ) کے عقیدے کے حق میں ایک سائنسی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ وہ مذہبی عقیدے کے علمی مسلّمہ کی حیثیت دے رہا ہے۔ اب خالص سائنس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس کائنات کا ایک خدا ہے۔ یہ خدا ایک ہے اور صرف ایک:

"Single string concept by Estefan haking":,

The concept of God is purely a scientific concept, and this God is one and one alone.

طبعی اصول و قوانین اور خدا

کائنات میں موجود طبعی قوانین کو ملحدین نے اتنا بڑھایا کہ اسے خدا سمجھ لیا، طبیعی اصولوں کے کسی نظام کے پائے جانے کی وجہ سے خدا کی ضرورت کا ہی انکار کر بیٹھے، انکی دلیل یہ ہے کہ جب ہر واقعہ کچھ لگے بندھے اصولوں کے تحت انجام پا رہا ہے تو خدا کا ارادہ ہر واقعے کے پیچھے تو کار فرمانہ ہوا!

یہاں جو واقعات ہو رہے ہیں وہ ایک متعین قانون فطرت کے مطابق ہو رہے ہیں اس لئے ان کی توجیہہ کرنے کیلئے کسی نامعلوم خدا کا وجود فرض کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ معلوم قوانین خود اس کی توجیہہ کیلئے موجود ہیں۔

سٹیون ہاکنگ اپنی نئی کتاب ' دی گرینڈ ڈیزائین ` میں اپنے نظریے کی دلالت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

آفاق میں موجود کشش ثقل کے قانون کے مطابق دنیا بغیر کسی مصمم ارادے یا منصوبے کے وجود میں آسکتی ہے۔ کائنات کی تخلیق میں کسی 'ان دیکھے تخلیق کار' کا تصور سائنس کے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ حوالہ

http://www.bbc.com/.../2.../09/100902_universe_without_god.shtml

ان دلائل کا جواب ہم یہاں 'قوانین فطرت اور خدا کی ضرورت' کی بحث میں دے چکے ہیں۔

http://ilhaad.com/2015/06/phylosphy/

سٹیفن ہاکنگ کے علاوہ ملاحدہ کی ایک اور قسم بھی ہے جو کائنات میں ڈیزائن اور ربط کے پائے جانے سے ہی انکاری ہے۔ کیونکہ کائنات میں ربط مان لینے کے بعد 'کسی ربط والے' کو ماننا ربط کے خود بخود وجود میں آنے کے مقابلے میں

زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔۔۔!

لہذا یہ لوگ ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے ہیں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ربط یا تو نہیں اور اگر ہے بھی تو کامل نہیں، کائنات میں امپرفیکشن کی مثالیں دینے لگتے ہیں مثلا مخلوق میں نقص ہے، زلزلے آرہے ہیں، تباہی، بیماری ہے وغیرہ۔ جیسا کہ رچرڈ ڈاکنز کے آرگیومنٹ سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں پر ڈیزائن ہو گا وہاں پر پرفیکشن ہونا ضروری ہے... حالانکہ یہ ضروری نہیں۔ کائنات میں کسی جگہ مصلحت کے تحت کمی کا ہونا اور کاملیت کا نا ہونا سرے سے ربط کے ہی نا ہونے کی نشانی نہیں.. پھر اہل مذہب کا دعوی کائنات میں پرفکیشن کا نہیں ڈیزائن اور ربط کا ہے، پرفیکشن وہ اس جہاں میں صرف خدا میں ہی مانتے ہیں۔۔!

اسی طرح کچھ (مذہبی) لوگ بھی موجود ہیں جو طبیعی اصولوں کے کسی نظام میں پائے جانے کو تسلیم کر لینے کو ہر ایک واقعہ میں ارادہ خداوندی کے الگ سے موجود ہونے کا انکار سمجھ بیٹھتے ہیں۔ یعنی جب ہر واقعہ کچھ لگے بندھے اصولوں کے تحت انجام پا رہا ہے تو خدا کا ارادہ ہر واقعے کے پیچھے تو کار فرما نہ ہوا! چنانچہ ایک کو دوسرے کا نقیض سمجھتے ہوئے انہیں ان اصولوں کے کائنات میں پنہاں ہونے کا ہی انکار کرنا پڑ جاتا ہے۔..

جب ایسے کوئی اصول موجود ہی نہیں تو اشیاء و واقعات کے ہونے اور عمل کرنے میں ان کا باہمی کوئی ربط اور تعلق نہیں! کیونکہ اس ربط و تعلق سے ہی تو یہ اصول وجود پاتے ہیں اور اس تعلق کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس طرح انہیں یہ ماننا پڑ جاتا ہے کہ ہر ایک انفرادی وقوعہ تنہا ارادۂ خداوندی کا نتیجہ ہونے کے ناتے گردوپیش کے باقی تمام واقعات واشیاء سے آزاد اور لاتعلق ہو کر انجام پاتا ہے۔ یوں مشیئت الٰہی نے جب وقوعات کے درمیان کوئی طبیعی ربط نہیں

رکھا تو حوادث کے وقوع پذیر ہونے کے طبیعی اصول نام کی کسی شے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی۔ جب یہ اصول فطرت میں پائے ہی نہیں جاتے تو ان کو ضبط میں لانا چہ معنی دارد؟ یوں انکار کا یہ سلسلہ دراز ہوتے ہوتے بالآخر سائنسی طریقۂ علم ہی کے انکار پر جا منتج ہوتا ہے۔

اسی طرح انکے مطابق واقعات میں ربط اور تسلسل، اور ان کے رُوپذیر ہونے کے طبیعی اصولوں کو تسلیم کر لینے سے یہ ماننا لازم آ سکتا ہے کہ خدا نے اس کائنات اور اس کے نظام کو کچھ مخصوص اصولوں کے تحت بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ اور اب کائنات کا نظام خود بخود خالق کی منشا سے لاتعلق ہو کر ان اصولوں کے تحت چلا جا رہا ہے، جس طرح گھڑی ساز گھڑی کو بنا کر چھوڑ دیتا ہے اور وہ اپنے تیار کرنے والے سے آزاد طور پر چلتی رہتی ہے۔۔ ظاہر اس طرح کی سوچ رکھنا سراسر الحاد و کفر ہے لیکن ان کے حق میں جو پہلے سے ہی ملحد ہیں۔ مسلمانوں پر یہ کفر تو تب لازم آئے جب ان طبیعی اصولوں کے وجود اور اثر پذیری کو ماننے سے واقعی خالق کائنات کے ہمہ وقت کار فرما ارادے سے بالاتری اور بے نیازی کا تصور لازم آتا ہو۔۔۔

خالق کے قائم کردہ ان طبیعی اصولوں کو ماننا نیچریت نہیں ہے۔ کیونکہ نیچرسٹ تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو ان اصولوں کو غیر استثنائی مانتے ہیں اور خود خالق کو ایک طرح سے ان اصولوں کے آگے مجبور۔ جبکہ ایمان والے تو ہر ایک وقوعے کی نسبت خدائے علیم و حکیم کی طرف ہی کرتے ہیں۔ اس کی انفرادی حیثیت میں بھی اور کسی سلسلۂ واقعات میں ایک کڑی کی حیثیت میں بھی۔ کیونکہ اللہ کی قدرتِ مطلقہ و کاملہ پر ایمان رکھنے والے اس کی حکمتِ واسعہ و بالغہ پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ اور ان دونوں کے آثار وہ زمین و آسمان میں خدا کی جاری کردہ بے شمار سنتوں میں واضح طور پر دیکھتے

ہیں۔ ۔

یہ سنتیں خواہ بندوں کے اعمال کے نتیجے میں ظاہر ہوں یا کائنات کے "افعال" کی صورت میں، ہر طرح سے یہ خداہی کے بنائے ہوئے اصول و قوانین کو واضح کرتی ہیں۔ البتہ استثناء ہر دو اقسام کی سنتوں میں پایا جاسکتا ہے، جو ہر ایک انفرادی معاملے میں خدائی ارادے کی برتری اور غلبہ کو ظاہر کرتا ہے۔ استثناءات البتہ کہیں بھی ہوں، اصول و قوانین کی ضبط و تدوین میں آڑے نہیں آتے۔

خدا کی فرمانبرداری یا نافرمانی کی جانے کے حوالے سے جو خدائی سنتیں ازل سے چلی آرہی ہیں، جن کے تحت کبھی انسان کی بداعمالیوں کے سبب خشکی اور تری میں فساد پھیل جاتا ہے اور کبھی اس کی فرمانبرداری کے صلہ میں زمین و آسمان سے برکات کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، تو جب ان "شرعی اسباب" پر مبنی خدائی سنتوں کے اصول و قوانین طے شدہ ہو جانے سے ارادۂ خداوندی کا معطل ہو جانا لازم نہیں آتا تو مادّی اور طبیعی اسباب پر مبنی خداہی کی طے کردہ سنتوں اور اصولوں کے متعین ہو جانے سے (خداوندی کا معطل ہو جانا) کیونکر ایسا لازم آسکتا ہے؟؟

مزید کسی قسم کے فطری اصولوں اور قوانین کے وجود رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ لازماً قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہوں۔ قرآن و سنت بنیادی طور پر شرعی اصولوں اور شرعی اسباب سے بحث کرتے ہیں۔ تاہم وہ مادی

اور طبیعی اصولوں اور ان کی اہمیت سے انکار بھی نہیں کرتے۔ یہ تو علوم شرعیہ کی اپنی منہاج کا تقاضا ہے کہ وہ کچھ خاص قسم کے اصولوں سے ہی بحث کریں۔ چنانچہ طبیعی علوم ان کی راہ میں آڑے نہیں آتے اور یہ خود طبیعی علوم کے آگے رکاوٹ نہیں ڈالتے۔ شرعی علوم اور طبیعی علوم دونوں فطرت کے علوم ہیں۔ ان دونوں کی منہاج کا فرق یہی ہے کہ شرعی علوم عقل سے نہیں گھڑے جاتے، بلکہ ان کے لیے وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ طبیعی علوم کے لیے وحی کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ عقل کے ذریعے معلوم و دریافت کیے جاسکتے ہیں۔

طبیعی اصول و قوانین _ جو خداوند فطرت نے ہی کائنات کے وقوعات میں اثر پذیر فرمائے ہیں، لیکن یہ کسی انفرادی وقوعہ میں ارادۂ خداوندی کے الگ سے پنہاں ہونے میں مانع نہیں ہیں _ یہ طبیعی اصول اگر اس کائنات میں پنہاں ہیں تو پھر محال ہے کہ انسانی عقل کبھی اِن کو دریافت ہی نہ کر سکے۔ یعنی شب و روز صدیوں سے مادّی عوامل و امور انسان کے سامنے رُونما ہوتے رہیں اور عقل کی نعمت غیر مترقبہ رکھنے والی یہ اکلوتی مخلوق کبھی یہ معلوم کرنے پر ہی نہ آسکے !کہ یہ طبیعی عوامل کیسے اور کیونکر واقع ہوتے ہیں۔

یا اگر معلوم کرے بھی تو بھی صدیوں کے سفر اور ذہنی و مادّی ارتقاء کے باوجود ہمیشہ غلط اندازوں اور نتائج ہی تک پہنچے۔! یا کبھی اگر "بظاہر" درست اندازوں تک پہنچ بھی جائے تو بھی اس کا نتیجہ کبھی حتمی نہ ہو۔ اور یہ جہان اور اس کے مظاہر انسانی عقل کے لیے ہمیشہ ایک دھوکا، سراب اور گورکھ دھندہ یا ایک "شجر ممنوعہ" کی سی حیثیت اختیار کیے رکھیں۔ اس طرح حقیقت تو کجا، "حقیقت کے مظاہر" ہی انسانی عقل کی ضبط بندیوں سے بالاتر قرار پائیں۔ پھر سوائے اس ایک بات کے انسانی عقل کسی حقیقت تک پہنچنے کی صلاحیت سے ہی محروم ہو کہ مظاہرِ کائنات اور عقل،

ہر دو کی کوئی ضرورت ہے نہ مقصد! اور باقی حقیقتوں کے لیے کسی "الہام" کا منتظر رہنا پڑے۔

رہا یہ کہ تاریخ کے سفر میں انسان بہت سے اپنے ہی سائنسی نظریات بدلتا اور رد کرتا چلا آیا ہے، تو اِس سے یہ کہاں طے پا گیا کہ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا رہے گا، اور کبھی کوئی نظریہ حتمی شکل اختیار ہی نہیں کر سکے گا؟ جب تک نظریات، مفروضہ (Hypothesis) کے phase میں ہوتے ہیں، اور ان کو تجربات کی مدد سے پرکھا اور جانچا نہیں گیا ہوتا، یا تجربات سے ان کی تصدیق نہیں ہوئی ہوتی، تب تک تو اس بات کی گنجائش موجود ہوتی ہے کہ کسی phenomenon کی تشریح کرنے والے کسی سائنسی نظریے کی جگہ کوئی اور نظریہ لے آیا جائے۔ لیکن تجربات سے بار بار ثابت ہو جانے کے بعد جب وہ مفروضہ، تھیوری کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو پھر یہ گنجائش قریب قریب ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مزید سائنسی ترقی کے نتیجے میں پہلے سے ثابت شدہ کسی نظریے میں کوئی پیشرفت کر لی جائے، یا اس میں کوئی بہتری لے آئی جائے۔ سائنسی نظریات کی صداقت یا صحت دنیا میں پائی جانے والی سائنسی و ٹیکنالوجیکل ترقی کی صورت میں بہ آسانی بچشم سر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

طبیعی اصول و قوانین عالَم میں اگر کار فرما نہیں ہیں، یا اگر کار فرما تو ہیں مگر صحت و یقین کے ساتھ معلوم نہیں کیے جا سکتے، تو دنیا میں ایجاد کردہ ہزارہا آلات، پرزے، مشینیں، مصنوعات اور پلانٹس انسانیت کو کیونکر اپنی پیداوار، ثمرات اور مضمرات بہم پہنچا رہے ہیں؟؟ یا یہ بھی محض فریبِ نظر، اور فہم کا دھوکا ہے؟ یا یہ کہ یہ ایجادات اور دریافتیں بھی صرف الہامات کا نتیجہ ہیں، اور عقل نے بہر صورت لبِ بام تماشا ہی دیکھنا ہے؟؟؟

کائنات میں کار فرما طبیعی اصولوں میں یک رنگی و استمرار (uniformity) اور اشیاء، ان کی مدد سے طبیعی واقعات

اور ان کی مقداری و تحسیبی (predictability) کے وقوع پذیر ہونے کی بابت ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا جانا کا ہونا دنیا کا ایک مسلّمہ واقعہ بن چکا ہے۔ یعنی سائنسی نظریات کو اس قدر ترقی یافتہ (computability) حیثیت شکل دی جا چکی ہے کہ انہیں اب بہ آسانی ریاضیاتی فارمولوں کی مدد سے بیان کیا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ اور عالمِ واقعہ میں اِن اصولوں کا اِطلاق و استعمال (یعنی ٹیکنالوجی کا حصول) اِن فارمولوں کے ذریعے ہی کیا جاتا ہے۔ بعض تو وہی ہوتے ہیں جنہیں فارمولوں کی زبان میں ڈھالا جا (physical laws) سائنسدانوں کے بقول، طبیعی اصول سکے۔ فارمولوں کی شکل اختیار کر لینے کے بعد طبیعی اصولوں کی مذکورہ تینوں خصوصیات یعنی uniformity ، انتہائی واضح طور پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ اِس کے بعد اِن فارمولوں کی computability اور predictability پشت پر پائے جانے والے سائنسی نظریات کے تبدیل یا رڈ ہونے کے اِمکانات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

اس کی ایک انتہائی سادہ مثال سورج گرہن اور چاند گرہن ہونے کی سائنسی پیشینگوئیاں ہیں۔ فلکیات اور ہیئت کے علوم سے تعلق رکھنے والے سائنسدان اپنے علم کی مدد سے مہینوں پہلے اِن واقعات کی جو پیشینگوئی کر دیتے ہیں، وہ بعد نکلتی ہیں۔ جدید دنیا کے (exact & accurate) ازاں اپنے وقت اور مقام کے اعتبار سے بالکل درست اور صحیح باسیوں کے لیے یہ بات تقریباً معمول کا ایک واقعہ بن چکی ہے، کہ وہ اِن فلکیاتی پیشینگوئیوں کی صداقت اور صحت بارہا ملاحظہ کرتے رہے ہیں۔ یہ سائنسدان اتنی درست پیشینگوئی کیسے کر جاتے ہیں؟ کیا اُن کے ہاتھ علمِ غیب کا کوئی سرا لگ جاتا ہے، یا یہ کہ وہ اجرامِ فلکی سے متعلق طبیعی اصولوں پر مبنی ریاضیاتی فارمولوں کی مدد سے اِن اجرام کی حرکت و رفتار وغیرہ کی تحسیب کے ذریعے ان نتائج تک پہنچتے ہیں؟ درحقیقت ایسے محض ایک واقعے کی درست اور مکمل prediction کے لیے کئی ایک ریاضیاتی تخمینات (Mathematical Calculations) کی مدد لی جاتی ہے۔ پھر ہر ایک تخمین اور فارمولے کے ساتھ کئی ایک سائنسی نظریات متعلق ہوتے ہیں، جن میں سے کسی ایک جگہ بھی

ذرا سی غلطی نتائج میں بہت بڑا فرق لے آنے کا باعث بن سکتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نتائج مذکورہ مثال کے حوالے سے درست نکلتے ہیں۔

اِس مثال سے کم اَز کم یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ بہت سے پیچیدہ طبیعی اصول _ جو خالقِ کائنات نے ہی وضع فرمائے ہیں _ اِنسانی عقل سے بالکل صحیح صحیح طور پر معلوم و دریافت کیے جاسکتے ہیں۔

پھر جب خلا میں موجود اجرام سے متعلق اتنے درست سائنسی نظریات قائم کیے جاسکتے ہیں جو اِنسان کی پہنچ اور رَسائی سے متعلق سائنسی نظریات رکھنے (Biosphere) سے حقیقتاً بہت ہی دور ہیں تو انسان خود اپنی دنیا کے کرّۂ حیات میں درستی اور صحت کے مقام پر کیوں نہیں پہنچ سکتا؟!

مظاہرِ کائنات اور ان کے طبیعی اصول _ یعنی سائنس _ اگر خود حقیقت نہیں، تو حقیقت سے جدا اور منقطع بھی نہیں۔ حقیقت سے ہی پھوٹنے اور اس سے ایک زبردست تعلق و ہم آہنگی رکھنے کے ناتے یہ اِنسان کو حقیقت ہی کی طرف پلٹاتے اور اسی کا سرا تھماتے نظر آتے ہیں۔ کوئی تھامنے پر آئے تو۔

مثل قران دینی کتاب لانے یا اس کی جیسی سورت اور آیت لانے کے چیلنج کا حقیقی معنی و مفہوم اور غلطی ہائے مضامین

ایک بہت بڑا علمی فریب اور مغالطہ سادہ لوح لوگوں کے سامنے یہود و نصاریٰ کے جھوٹے چمچے یہ دیتے ہیں کہ قران

نے اپنے جیسا قران لکھنے یا سورت بنانے یا اس کے مثل آیت لانے کا جو چیلنج کیا ہے وہ چیلنج کئی بار پورا کر دیا گیا ہے۔

پھر نمونے کے طور پر کچھ ایسی مزاحیہ عربی جملے والی آیات منظر عام پر لائی جاتی ہیں جو ہو بہو قران کی اندھی تقلید (blind following) ہوتی ہیں جس سے زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ قرانی الفاظ کی تقلید تو کر لی لیکن اس کی تاثیر کو جواب دیتے وقت موثر و دندان شکن جواب نا دے سکے اور علمی محفل میں غیر جانب دار محققین ماہرین لسانیات عرب کی نظروں میں خود کو نمونہ بنا کر رہ گئے کیونکہ اس قسم کی لچر تحریروں پر قرانی عربی سے آشنا اہل علم و اہل زبان ہنس ہی سکتے ہیں-

اس معاملے کا سب سے پر لطف پہلو یہ ہے کہ فیس بوک پر کچھ نو وارد دہریئے تو کبھی کبھار اس قدر مشتعل و جذباتی ہو کر پوچھ بیٹھتے ہیں کہ چلو میں قران جیسی کتاب تحریر کر دوں لیکن یہ فیصلہ کون کرے گا کہ میری کتاب افضل ہے یا قران؟؟؟

ان کے جواب میں ہم ان سے ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ "برادر من" قران کے مثل کتاب لکھ کر تنقید و تبصرہ اور موازنہ کی خاطر پیش کر دو باقی فیصلہ دنیا کے غیر جانب دار عربی آشنا اھل علم و قلم عوام کو خود کر لینے دو اور اس کتاب کو مارکیٹ میں آجانے کے بعد لوگوں کو اس کے اوپر ایمان لانے دو اور اس کتاب کو اپنا اسوہ حیات بنانے دو۔

تا کہ پتہ چلے کہ آپ کی اس "تصنیف لطیف" کی مقبولیت کی معراج کیا ہے اور کتنی صدیوں تک لوگوں کے ذہن پر یہ

حاوی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے ؟؟؟؟

اصل مسئلہ یہ ہے کہ قران کریم نے اہل عرب کو جو چیلینج دیا تھا کہ اس کے مثل یا اس کے جیسی ایک سورت یا ایک آیت لائی جائے تو وہ اتنے بیوقوف نا تھے کہ اس چیلنج کی گہرائی اور حساسیت کو نہیں سمجھتے تھے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے عربی کی 500 صفحات کی محاورات اور لسانی و ثقافتی و سماجی و معاشی ادبیات پر کتاب لکھ نہیں سکتے تھے -

لیکن انہوں نے قران کو سنا سمجھا اور اس کے بعد ان سابقہ کافروں پر اس قران کا اثر دیکھا جو کسی وقت گناہوں میں لت پت تھے لیکن قران نے انہیں کیا سے کیا بنا دیا تھا-

اس لئے ہمارے ننھے منے دہریوں کے لئے اس قرانی چیلینج کو قران سے ہی سمجھنا بے حد ضروری ہے کہ قران کے مثل قران لانے کا چیلینج آخر ہے کیا۔

کیا وہ انسان جس نے قران کو اول تا آخر پڑھا ہی نا ہو اس پر تدبر نا کیا ہو وہ قران کے مثل یا اس جیسی کتاب یا سورت یا ایک آیت پیش کر سکے گا قران کا مقابلہ کرنا ہو تو کم از کم مد مقابل بندے کو اتنا پتا ہونا چاہئے کہ

۱۔ قران کے اندر ایسے کون سے نمایاں مضامین و موضوعات ہیں جس کا تکرار و اعادہ کیا گیا ہے

۲۔ اور سماجی پہلو سے کیا کیا تعلیمات ہیں مادی حوالے سے کیا رہنمائیاں ہیں

۳۔ آخرت کے حوالے سے کیا انسٹرکشن ہیں۔

۴۔ اور مختلف ادیان کا علمی رد کس طرح کیا گیا ہے۔

۵۔ اور خود قران نے قران کے اندر اپنا تعارف کیسے کرایا ہے

اپنی تاثیر کیا گنوائی ہیں جو بقیہ کتابوں میں نہیں پائی جاتیں

مثلا اس حوالے سے تو سب سے پہلے خود قران نے ہی اپنے اہم اوصاف کے متعلق خبر دی ہے مثلا:-

(اگر یہ قران کریم پہاڑ پر نازل ہوتا تو قران کی ہیبت و جلال سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے (الحشر 21 -

اس قران کو سننے کے بعد ان لوگوں کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ پڑتے ہیں جو اس پر ایمان و یقین نہیں رکھتے (نساء- 83)

(اس قران کی تلاوت کرتے ہوئے یا یا اس کی آیت سننے کے بعد اہل ایمان کے دل کانپ جاتے ہیں (حج 34/35 -

(اگر اس کے اندر کچھ سختی ہو تو ان آیات کی برکت سے ان کے دل موم ہو جاتے ہیں (الزمر 23-

(اہل ایمان کے ایمان میں زیادتی اور دل میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے (الانفال 2-

اس قران کو سننے کے بعد غور و فکر کے نتیجے میں لوگ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں (بنی اسرائیل 109- - 107

قران دنیا کی واحد آسمانی کتاب ہے جو اپنے متعلق صاف طور پر

صدفی صد اعتماد سے یہ بتلاتی ہے کہ

کیوں اور کس لیے نازل ہوئی ؟

اس سے فائدہ اٹھانے والے حقیقی لوگ کون ہیں ؟

وہ کس پر نازل ہوئی ؟-

وہ کب نازل ہوئی اور کس رات نازل ہوئی ؟-

کس زبان میں نازل ہوئی ؟-

کہاں سے نازل ہوئی ؟-

کس کے ذریعے نازل ہوئی ؟۔

دنیا کی سب سے پہلی دینی کتاب ہے جو کہتی ہے کہ اس کی حفاظت کی ضمانت اس کے مصنف و منزل کی ہے

اس خاص زاوئے سے غور کیجیے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ھندو اور

عیسائیت اور یہودیت اور دیگر ادیان باطلہ کی کتابیں اپنے متعلق ان سوالوں کا قابل اطمینان جواب نہیں فراہم کرتیں۔۔۔

قصہ مختصر یاد رہے کہ تاریخ میں ہمیں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ دشمنان اسلام نے قرآن پاک کے ہی الفاظ لے کر چند آیات ترتیب کرنے کی کوششیں کیں۔ خیر کیا اس طرح قران کا چیلینج ٹوٹ گیا؟؟

جوابا عرض ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے دس یا پندرہ فقرات ترتیب دے لینا، کسی عربی یا عجمی عالم کے لیے نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مشکل تھا نہ آج ہے۔

قرآن میں جو چلینج ہے وہ یہ ہے کہ اگر سمجھتے ہو کہ قرآن دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بشر رسول کی طبع زاد ایسی تصنیف ہے ہے جس کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور انکھوں سے آنسو نکلتے ہیں اور سوچ و فکر میں عظیم انقلاب برپا ہوتا ہے جسے صبح شام تلاوت کرنا لوگ باعث ثواب سمجھتے ہیں، اور جس کی تعلیمات پر عمل کر کے زندگی بسر کرنا باعث نجات سمجھتے ہیں تو بنالاؤ ایسی ہی ایک کتاب جو عربی فصاحت و بلاغت کی

سب سے آخری چوٹی پر فائز ہو اور اس قدر جوامع الکلم ہوں کہ عقل دنگ رہ جائے جسے پڑھ کر پتھر دل انسان موم ہو جائیں جو دل و دماغ میں انقلاب برپا کر دے اور جسے سات تا دس سال کا بچہ بھی بآسانی حفظ کر سکے اور اس پر فخر محسوس کرے۔ جس کی دن رات مشرق تا مغرب شمال تا جنوب مسلسل تلاوت ہو اور جس پر عمل کرنے میں لوگ اپنی نجات سمجھیں، جسے ویسا قبول عام حاصل ہو جیسا قرآن پاک کو حاصل ہے، جسے پڑھنے کے بعد عربوں کی طرح مختلف جاھل اور مفلوک الحال غیر متمدن و ناخواندہ افراد اور اجڈ لوگوں کی اصلاح ایسی ہو کہ قیصر و کسری جیسی اپنے وقت کی سپر پاور کو ناکوں چنے چنے چبوا دیں۔ جسے پڑھنے کے بعد لوگوں کی سماجی زندگی میں ایس انقلاب آجائے کہ چوری زناکاری اور لڑکیوں پر بہتان لگانا یا انہیں زندہ دفن کرنا بند کر دیا جائے دل و دماغ کی لت یعنی شراب پینی چھوڑ دی جائے مساکین و یتیم کی پرورش کی جائے اور صدقات و خیرات و زکوت کے زریعے دل سے مال کی محبت کم اور انسانیت نوازی زیادہ ہو جائے۔ (سورہ بقرہ 24/25)

کس کافر نے آج تک ایسی روحانی و قلبی انقلاب پیدا کر دینے والی کتاب لکھی ہے جس کے اندر دنیا اور آخرت اور ماضی و حال اور مستقبل میں ہونے والے تمام حالات کے متعلق پیشین گوئی قصے اور خبریں تک لکھ دی گئی ہوں اور دنیا نے اختلاف نا کیا ہو بلکہ یہ کتاب (قران) ایک ایسے ماحول اور وقت میں یہ باتیں بیان کر رہی ہو جب اس کا تصور کرنا بھی ممکن نا ہو۔

یہ ہے وہ چیلنج جو قرآن مجید نے آج سے چودہ سو سال پہلے دیا تھا جسے قبول کرنے کی سعی نامراد ماضی میں بھی کی گئی اور آج بھی کفار نے یہی سعی لاحاصل کی ہے اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے لیکن قیامت تک خائب و خاسر ہوں گے جو

آیات قران کے جواب میں بعض مسیحی مشنریز یا عرب مرتدین و مدعیان نبوت کی طرف سے تصنیف ہوئیں انہیں کوئی پڑھنے والا تو کیا کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے اور جواب تصنیف کی جارہی ہیں چند سال بعد ان کا حشر بھی یہی ہو گا۔

بقول شاعر

ناہوا پر ناہوا میر کا سا انداز نصیب

ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

قران نے صاف کہہ دیا ہے

ترجمہ، باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کر دہ چیز ہے۔(سورۃ حم السجدہ۔ آیات 42)

ترتیب وتزئین:۔سالم فریادی

مراجع ومصادر

فضائل قران مجید از اقبال کیلانی -1

تعلیمات قران مجید از اقبال کیلانی -2

علامت قیامت کا بیان از اقبال کیلانی -3

ذات نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ملحدین کے اعتراضات کا جائزہ

کیا قران نے امرؤالقیس کے اشعار کی نقل کی ہے؟

ملحدوں کا مستشرقین سے نقل کردہ ایک شبہہ اور اس کا جواب

شبہہ (جو ہر طرح کی خیانتوں جھوٹ اور فریب سے بھرپور ہے): امرؤالقیس قبلِ اسلام کا ایک شاعر ہے جس کا اِنتقال سن 540ء میں ہوُا (یعنی آنحضرت محمد کی وِلادت سے بھی تیِس برس پہلے اور نزول وحی سے ستر سال پہلے)۔ اُس کا ایک مشہور قصِیدہ ہے جس سے قُرآنِ مجید میں بہُت سارے اِقتِباسات آئے ہیں۔ اِس کا ثبوت یہ چند اشعار ہیں:

دنت الساعة وانشق القمر عن غزال صاد قلبي و نفر أحورٌ قد حرِتُ في أوصافه ناعس الطرف بعينيه حوَر مرّيوم العيد بي في

زینۃ فرماني فتعاطیفعقر بسھامٍ من لحاظٍ فاتک فرّعنّي کھشیم المحتظر وإذاما غاب عني ساعۃ کانت الساعۃ أدھی وأمر کُتب الحُسن علی وجنتہ بسحیق المسک سطراً مختصر عادۃُ الأقمارِ تسري في الدجی فرأیتُاللیل یسري بالقمر بالضحی واللیل من طرتہ فرقھذاالنور کم شيءزھر قلت إذ شقّ العذار خدہ دنت الساعۃ وانشق القمر

پہلے شعر کا پہلا مصرعہ سُورۃ القمر (54)، آیت 1 میں آیا ہے: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ تیسرے شعر کا دُوسرا مصرعہ بھی سُورۃ القمر (54) کی آیت 29 میں آیا ہے:

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ۔

. چوتھے شعر کا دُوسرا مصرعہ بھی اِسی سُورۂ مبارکہ میں آیا ہے، آیت 31: فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ

. آٹھویں شعر کا پہلا مصرعہ سُورۃ الضحیٰ کی آیات 1 اور 2 میں آیا ہے: وَالضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى

____

:اب اس کا جواب ملاحظہ فرمایئے

!!اشعار ان اشعار کا کوئی وجود سرے سے عربی زبان وادب کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا (1)

!!دیوان امرؤالقیس کی مختلف طبعات موجود ہیں، ان میں سے کسی میں بھی یہ ابیات موجود نہیں ہیں (2)

عربی ادب کا کوئی بھی اسکالر اور اسپشیلسٹ، اور خاص طور پر امرؤالقیس کے اشعار کا اسپیشیلسٹ ہو، اچھی (3) طرح جانتا ہے کہ امرؤالقیس کوئی غیر معروف شاعر نہیں تھا، نابغہ روزگار تھا، لہذا اس کے اشعار کو جو توجہ ملی ہے شاید ہی کسی شاعر کو ملی ہو، محدثین اور قدماء نے اس کے اشعار جمع کرنے، روایت کرنے اور اس کی نشر واشاعت پر بڑی محنت صرف کی ہے، اور اس کے دیوان کے کئی مشہور نسخے ہیں، جیسے الأعلم الشنتمري کا نسخہ، الطوسي کا نسخہ، السكري کا نسخہ، البطليوسي کا نسخہ، ابن النحاس کا نسخہ وغیرہ وغیرہ!! ان ابیات کا ذکر ان میں سے کسی میں بھی موجود نہیں ہے! اب یہ امرؤالقیس کے اشعار کے ماہرین اس کے اشعار کو زیادہ جانتے ہیں یا آپ کے خائن اور جھوٹے پروپیگنڈے باز نام نہاد نقل باز محققین جن سے آپ نے یہ اشعار نقل کیے ہیں؟؟؟ (یاد رہے کہ یہ جھوٹے محققین یہ سارے (اعتراضات مستشرقین سے نقل کرتے ہیں

اس دور میں بھی امرؤالقیس کے اشعار اور دواوین پر نیز جو کچھ اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس پر کافی (4) ریسرچ ہوئی ہے، ان میں سے کسی بھی ریسرچ میں ان ابیات کا ذکر سرے سے موجود نہیں۔۔نہ اس طور پر کہ یہ اس کے اشعار ہیں نہ اس طور پر کہ یہ اس کی جانب منسوب کر دیے گئے ہیں!!

امرؤالقیس اور دیگر مشہور شعراء کی جانب پورے پورے قصائد منسوب کر دیے گئے ہیں چہ جائیکہ چند اشعار، (5) بلکہ ایسے لمبے چوڑے قصے تک گھڑ لیے گئے ہیں جن کا کوئی سر پیر ہی نہیں! اور مشہور شعراء کی جانب اشعار کا منسوب کیا جانا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ہم آج تک سامنا کر رہے ہیں!! حماد الراویۃ نامی ایک معروف اشعار کا ناقل ہے، اور اسی کی طرح خلف الاحمر! ان کا کام ہی یہ تھا کہ یہ اشعار گھڑتے اور قدیم شعراء کے نام سے بیان کرنا شروع کر دیتے۔۔۔ ابن عبدربہ نے اپنی کتاب "العقد الفرید" میں نشاندہی کے ساتھ ان من گھڑت اشعار کی مثالیں دی ہیں۔۔۔ بلکہ خود حماد کا قول نقل کیا ہے، (فخریہ کہتا ہے) کہ کوئی شاعر ایسا نہیں ہے جس کے اشعار میں میں نے اپنے اشعار کی ملاوٹ نہ کی ہو۔۔ اسی طرح کی بات الصفدی نے اپنی کتاب "الوافی بالوفیات" میں بھی نقل کی ہے۔۔۔
دراصل ان لوگوں کو قدماء کے کلام پر قرار واقعی دسترس بھی حاصل تھی چنانچہ نہ انہیں کے الفاظ اور اسالیب لے کر کچھ اس طرح اشعار گھڑتے تھے کہ اچھے اچھے فرق نہ کر پاتے! آج کی طرح نہیں کہ بھونڈے اور بے وزن اشعار علامہ اقبال کی طرف منسوب کر دیے جائیں!

توجو اشعار آپ نے ذکر کیے ہیں، اگر کسی اور موضوع کی کسی کتاب میں امرؤالقیس کی طرف بلا کسی سند، دلیل اور

حوالے کے منسوب کر دیے گئے ہیں تو کون سی تعجب کی بات ہے؟

بہت سے ایسے اشعار جو قدماء کی طرف کہیں منسوب کیے گئے ہیں، دوسری جگہ بالسند ان کے اصل شاعر کا نام (6) بھی مل جاتا ہے۔۔۔

روح المعانی میں آلوسی، رازی کے حوالے سے اسی طرح کے کچھ اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس کو عرب (کے اشعار کی ذرہ برابر معرفت ہو گی وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کا شاعر مولد ہے (بعد کی پیداوار ہے

اہل عرب امرؤالقیس کے کلام سے آپ اور مجھ سے زیادہ واقف تھے، یہ کوئی پوشیدہ خزانہ نہیں تھا کہ جو نبی صلی (7) اللہ علیہ وسلم کو مل گیا ہو! اگر ایسا ہوتا تو اہل عرب فورا آپ پر کلام کی چوری کا الزام لگاتے!! آپ کی پوری زندگی میں !آپ پر ایسا کوئی الزام نہیں لگا

(8) ان اشعار کی رکاکت، بے معنی پن، ترکیب کا پھسپھسا پن ان کی چغلی کھا رہا ہے۔۔ بھلا الساعۃ سے کیا مراد ہے؟؟ قیامت؟؟ اطلاعا عرض ہے کہ وہ قیامت کو نہیں مانتے تھے! پورا قران قیامت کے سلسلے میں دلائل سے بھرا ہوا ہے! اگر وہ مانتے ہوتے تو اس کی ضرورت نہیں تھی۔۔ پھر اس انشقاق قمر سے کیا مراد ہے؟؟ انشقاق قمر کا کوئی واقعہ جاہلیت میں ہوا تھا؟؟ اگر ساعت سے ملاقات کی گھڑی مراد ہے تو اس کے ساتھ انشقاق قمر کا واقعہ ملانے سے بڑی رکاکت اور کیا ہو گی؟؟؟ انشقاق قمر سے اور کیا مراد ہو سکتا ہے؟ بھلا محبوب کے حسن کو بھی انشقاق قمر سے تشبیہ دی جاتی ہے؟؟ ہو سکتا ہے مستشرقین کے یہاں دی جاتی ہو، عربی میں تو ایسی کوئی احمقانہ تعبیر نہیں پائی جاتی۔۔۔ امرؤ القیس کے اشعار ایسے ہوتے ہیں کہ اگر عربی نہ جاننے والا بھی سنے تو جھومنے لگے۔۔ اس کے مقابلے میں یہ اشعار بالکل ویسے ہی ہیں، جیسے فیس بک پر آئے دن علامہ اقبال کے نام سے ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں!! اس کا بھلا اقتربت الساعۃ انشق القمر سے کیا مقابلہ؟؟

(9) اسی طرح فتعاطی فعقر والے اشعار میں صاف طور پر یہ تعبیر قران سے چرا کر منسوب کی گئی ہے! ذرہ برابر بھی کوئی میل نہیں کھاتی اس مقام سے!! ایک طرف کہا رمانی، مجھے تیر کا نشانہ بنایا، پھر کہا تعاطی جب تیر چلا ہی دیا گیا تو اب کس چیز کی تعاطی ہو رہی ہے؟؟ اور کوچیں کیوں کاٹی جا رہی ہیں؟؟ حق یہ ہے کہ یہاں یہ تعبیر صرف شعر کے قبح میں اضافہ کر رہی ہے، کیونکہ یہ انتہائی بے محل ہے، اور ویسے بھی غزل میں کونچیں کاٹنے جیسی کوئی تعبیر نہیں استعمال ہوتی!! اور لفظ عقر ذبح کرنے کے معنی میں اونٹ اور گھوڑے کے سوا استعمال ہوتا ہی نہیں لغت میں۔۔ اگر اس سے مراد زخمی کرنا ہو، جیسا کہ اکثر غزل کے اشعار میں تیر نگاہ سے زخمی کرنے کی بات کی جاتی ہے، تو اس رکاکت اس کے من گھڑت ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔۔۔ جبکہ قران میں یہ تعبیر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے عقر کے لئے استعمال ہوئی ہے، اور اپنے محل میں ہے!!

(10) یہی حال ہشیم المحتظر والے شعر کا ہے۔۔۔ ہشیم محتظر کا معنی کیا ہوتا ہے؟؟ اس کا معنی ہوتا ہے باڑے وغیرہ میں بکریوں کے سموں سے روندا ہوا چارہ یا بھوسہ! فرعنی کہشیم المحتظر کا معنی ہوا مجھ سے بھاگ کھڑا ہوا باڑے میں روندے ہوئے چارے کی طرح؟؟ یہ کون سی تشبیہ ہے؟؟ صاف ظاہر ہے کہ بس الفاظ کی قوت کے سبب اسے قران سے چرا کر اشعار میں فٹ کیا گیا اور امرؤالقیس کی طرف منسوب کر دیا گیا!! اس کا {إنا أرسلنا عليهم صيحة واحدة فكانوا كهشيم المحتظر} سے کیا مقابلہ؟؟

(11) جہاں سے یہ شعر نقل کیا گیا ہے (میں کتاب کا نام جانتا ہوں اور وہ بہت بعد کی ہے، اس میں سند بھی نہیں ہے، اور نہ مقصود شعروں کی تحقیق وغیرہ ہے چنانچہ) وہاں یہ شعر اس طرح ہے اقتربت الساعة وانشق القمر من غزال صاد قلبي ونفر! ناقل نے اس کی بے وزنی کو چھپانے کے لئے اقتربت کو دنت میں بدل دیا :D

(12) باقی یہ سارے دلائل اپنی جگہ ہیں کہ الفاظ تو ظاہر ہے قران عربی ہی کے استعمال کرے گا عبرانی کے تو نہیں کرے گا!! نیز ذرا باقی آیات کے مصادر بھی تلاش کر لائیں!

یہ من گھڑت کہانی آج کی نہیں ہے بلکہ انیسویں صدی کے آغاز ہی سے مستشرقین سے خرافات پھیلا رہے ہیں!!

تنویر الا فہام کے نام سے ایک کتاب نصرانیت کی دعوت کے لئے لکھی گئی، اسی سے یہ اشعار چرائے گئے ہیں! ان پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ رشید رضا مصری فرماتے ہیں محال ہے کہ یہ اشعار کسی عربی کے ہوں، بلکہ عربی کے کسی مبتدی اور تلمیذ کے ظاہر ہوتے ہیں، لغت کے اعتبار سے انتہائی رکیک اور محتشین کی تہذیب کے حاملین کے! اپنی رکاکت اسلوب وعبارت نیز انکی عربی اور موضوع کی کمزوری کے سبب عربی بھی ان سے بری ہے چہ جائیکہ یہ جاہلی شعرا کے اشعار ہوں۔۔۔(مزید اشارہ کیا ہے کہ یہ مردوں سے لواطت کرنے والوں کے اشعار ہیں، اس لئے کہ اس میں محبوب کا مذکر ہونا صاف ظاہر ہو رہا ہے، جبکہ امرؤالقیس کیا کوئی بھی جاہلی شاعر ایسا نہیں تھا۔۔)[مجلۃ المنار 7/ الجزء 5/ ص 161] مزید بھی ان اشعار میں رکاکت کے بہت سارے پہلو ہیں۔۔ جنہیں ذکر کر کے میں آپ کو بوجھل نہیں کرنا چاہتا! لہٰذا عقلا و نقلا کسی طور پر بھی یہ امرؤالقیس کے اشعار ہو ہی نہیں سکتے!!

توجناب یہ ہے ملحدین کی تحقیقات کا حال! ان کی دال جھوٹ، فریب، خیانت، دجل اور مغالطہ بازی کے بغیر تو گلتی ہی نہیں!!

: ذات باری تعالی کے دلائل درج ذیل ہیں

ا۔ سائنس میں کوئی قانون ایسا موجود نہیں ہے، جو اشیاء بنانے کے لیے ہو۔ مثلا سائنسدان یہ تو بتا سکتے ہیں کہ انسان کا جسم کس قانون کے تحت کام کرتا ہے، مگر یہ نہیں بتا سکتے کہ انسان کو بنانے کا کیا قانون ہے؟؟

۲۔ سائنسدان یہ تو بتا سکتے ہیں کہ درخت اور بیج کس قانون کے تحت کام کرتے ہیں، مگر یہ نہیں بتا سکتے کہ درخت اور بیج کو بنانے کا کیا قانون ہے؟؟

۳۔ سائنسدان یہ تو بتا سکتے ہیں کہ سورج، چاند، ستارے کیسے کام کرتے ہیں مگر یہ نہیں بتا سکتے کہ چاند، سورج، ستارے بنانے کا اور انکے نظام بنانے کا کیا قانون ہے؟؟

تمام مخلوقات کی مثال ایسے ہی ہے۔ اگر چاند، سورج، ستارے، چرند، پرند، انسان، حیوان، شجر، حجر، اور باقی تمام مخلوقات کو بنانے کا کوئ قانون اس کائنات میں موجود نہیں ہے، تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ان تمام مخلوقات کو کس نے پیدا کیا؟؟؟

بے شک وہ اللہ رب العزت کی ذات ہی ہے کہ جس نے ہمیں، اور باقی تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور وہ احسن الخالقین ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں ((وانزل من السماء مآء)) البقرہ # ۲۲

کہ اللہ نے آسمان سے پانی یعنی بارش نازل کی ۔

آسمان سے پانی برسانا اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے، ایک نشانی ہے۔

کیا آسمان سے پانی برسانا اتنا ہی آسان ہے، کہ خود بخود ہو جاے، اور کوئی اسے کرنے والا نہ ہو، یہ ناممکن ہے۔

بارش کو ایک مثال سے بیان کیا جاتا ہے، غور کیجیئے :

اگر آپ کو ایک کمرے کی چھت سے پانی (قطروں کی شکل میں) برسانے کو کہا جاے تو آپ کو کیا کرنا پڑے گا، ذرا سوچیئے !

آپ خود، پانی لیکر چھت پر لیکر جائیں، اور چھت میں اتنے چھوٹے چھوٹے سوراخ کریں کہ، پانی قطروں کی صورت گرے۔ اس صورت میں بھی کام آپ کو ہی کرنا ہو گا۔

مثلاً سب سے پہلے پانی درکار ہو گا۔ بغیر پانی یہ سب بے کار ہے۔

پھر آپکو کسی برتن میں پانی بھرنا ہو گا کہ آپ ہاتھوں سے یہ کام نہیں کر سکتے۔

پھر وہ برتن کسی نے بنایا ہو گا۔

پھر جتنا پانی درکار ہے، اتنا ہی برتن لینا ہو گا۔

پھر اوپر جانے کے لیے سیڑھی، پھر سوراخ کرنے کیلیے اوزار وغیرہ۔ ھم تفصیلات میں نہیں جاتے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کام انسان کے کیے بغیر خود بخود نہیں ہو سکتا، اور محنت طلب ہے۔

اب ایک آسان حل دیکھتے ہیں۔

چھت سے پانی قطروں کی گرانے کے لیے، ایک دوسری صورت اختیار کرتے ہیں۔

مثلا ایک پانی کی موٹر، جو پانی اوپر چڑھائے۔

پھر پانی کے پائپ، جو موٹر سے پانی اوپر لیکر جائیں۔

پھر چھت میں فوارہ لگائیں، تا کہ پانی قطروں کی صورت گرے۔

پھر پانی کا ٹینک، جس سے موٹر، پانی کھینچے۔

پھر بجلی چاہیے تا کہ موٹر چلے اور پانی، فوارے کی صورت، چھت سے گرے۔

پھر موٹر کا بٹن چاہیے کہ اپنی مرضی سے موٹر بند کریں، اور چلائیں۔

اب اگر ھم یہ سوال کریں، کہ کمرے کی چھت سے، پانی کے قطرے گرانے کے لیے جو اتنا انتظام کرنا پڑا ہے، خود بخود ہو سکتا ہے؟؟؟؟؟؟؟

ھمارے جواب یقینا نفی میں ہو گا، کہ انسان کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا

تو میرے بھائیو! اگر ایک چھوٹی سی چھت سے، چند قطرے خو بخود نہیں گر سکتے، تو اتنے بڑے آسمان سے، اتنا پانی ،قطروں صورت میں گرتا ہے، اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟؟؟؟؟؟

کیا آسمان سے پانی، قطروں کی صورت خو بخود گرتا ہے، یا کوی ذات ہے جو اسے گراتی ہے؟؟؟؟؟

کیا آپ نے ایسی موٹریں دیکھی ہیں جو آسمان پر پانی چڑھاتی ہیں، یا آسمان تک پانی خود ہی جاتا ہے؟؟؟؟؟؟؟؟؟

کیا آپ نے ان موٹروں سے جڑے، پایپ دیکھے ہیں جو آسمان تک پانی لے جاتے ہیں، یا اس پانی کو کی پائپ کی حاجت

نہیں ہے؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

کیا آپ نے ان موٹروں کا کرنٹ دیکھا ہے جو ان موٹروں کو چلاتا ہے، یا ان موٹروں کو کسی بجلی حاجت نہیں ہے؟؟؟؟؟؟

کیا آپ نے ان بادلوں میں لگے فوارے دیکھے ہیں، جو پانی کو قطروں کی صورت گراتے ہیں، یا ان بادلوں کو فواروں کی کو حاجت نہیں ہے؟؟؟؟؟؟

کیا آپ نے وہ ذات دیکھی ہے جو اس موٹر کا بٹن بند کرتی ہے اور چلاتی ہے تاکہ ضرورت کے مطابق پانی ملے، یا برسات کے موسم میں، بٹن کون دباتا ہے کہ پانی برسے؟؟؟؟؟؟؟؟؟

یقیناوہ اللہ رب العزت کی ذات ہے، جو آسمان سے پانی برساتی ہے۔

وانزل من السماء مآء))البقرہ#۲۲))

اللہ نے آسمان سے پانی یعنی بارش نازل کی ۔

:ذات باری تعالی کی ایک اور دلیل ملاحظہ فرمائیں

قرآن میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں((ھوالذی جعل الشمس ضیآء))یونس#۵

وہ اللہ تعالی ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا۔

سورج کا روشن کرنا، اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

کیا آپ ساری دنیا میں، کوئی ایسی چیز دیکھا سکتے ہیں، جو خود بخود روشن ہو جاتی ہو، اور اسے روشن کرنے کی ضرورت نہ پڑتی ہو؟؟؟؟؟

مثلا موم بتی، چراغ، لالٹین، چولہا، ٹارچ، بلب وغیرہ

آپ جتنی بھی چیزیں، اس دنیا میں آپ سوچیں گے، ان میں ۲ باتیں چیزیں ضرور پائیں گے۔

ایک روشن کرنے والی چیز، دوسری روشن ہونے والی چیز

مثلا چولہا جلانے کے لیے آپکو ۲ چیزوں ضرورت ہو گی، ایک ماچس جس سے چولہا روشن کریں، دوسرا گیس جس سے چولہا روشن رہے۔

ٹارچ کے لیے، ایک سیل، اور ٹارچ کا بلب ہونا ضروری ہے،

موم بتی کے لیے ماچس، موم بتی کا جلنے والا دھاگہ ضروری ہے۔

روشن کی جانے والی چیز میں، روشن ہونے کی صلاحیت بھی ضروری ہے۔

مثلا وہ موم بتی، جس میں جلنے والا دھاگہ نہ ہو، روشن نہیں ہو سکتی ۔

وہ ٹارچ، جس کا بلب خراب ہو، روشن نہیں ہو سکتی۔

وہ چولہا، جس میں گیس نہ ہو، روشن نہیں ہو سکتا۔

تو میرے بھائیو! کیا آپ نے آگ کے اس گولے کو دیکھا ہے، جو آسمان پر روشن ہو تا ہے، اور پوری دنیا کو روشن کر تا

ہے؟؟؟؟؟

کیااس سورج کو،روشن کرنے اور روشن ہونے کی صلاحیت کی کوئ ضرورت نہیں؟؟؟؟؟

وہ کونسی ذات ہے کہ جس نے،اس سورج کو روشنی دی؟؟؟؟؟؟

وہ کونسی ذات ہے کہ جس نے،اس سورج کو روشن ہونے کی صلاحیت دی؟؟؟؟؟

وہ کونسی ذات ہے کہ جس نے،اس سورج کی روشنی کو بر قرار رکھا ہوا ہے

کہ اگر یہ روشنی، تیز ہو جاے تو سب انسان جل بھن جائیں،اور اگر کم ہو جاے تو سب انسان ٹھٹھر جائیں؟؟؟؟؟

وہ کونسی ذات ہے کہ جس نے اس سورج کے ایندھن کو بر قرار رکھا ہے کہ یہ سورج بجھ نہ جاے؟؟؟؟؟

بے شک وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے

قرآن میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں((ھوالذی جعل الشمس ضیآء))یونس#۵

وہ اللہ تعالی ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا۔

ذات باری تعالی کی ایک اور دلیل ملاحظہ کیجیے

اس کائنات میں، کوئ ایسی قوت نہیں ہے جو اشیاء یا مخلوق بنانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

مثال کے طور پہ، مقناطیسی قوت (magnitic feild) کو لے لیجئے۔

تجربہ کرنے کے لیے، ایک بڑا سا مقناطیس (magnit) لیں،اور لوہے کے ڈھیر سارے، چھوٹے چھوٹے ٹکڑے

لیں۔

اب ان لوہے کے ٹکڑوں کو،زمین پر پھیلادیں،اور مقناطیس (magnit) کو آھستہ آھستہ ان ٹکڑوں کے قریب لے کر جائیں۔

اب کیاہو گا؟؟؟؟؟؟؟؟

پہلے وہ لوہے کے ذرات، حرکت کریں گے، کیونکہ مقناطیس قریب آرہاہے، پھر وہ تمام ٹکڑے اچانک اس مقناطیس سے چپک جائیں گے۔ کیونکہ مقناطیس انکو چپکانے کی صلاحیت رکھتاہے۔

لیکن اگر آپ سے یہ کہاجاے کہ،اس مقناطیس نے،ان لوہے کے ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچا، پھر ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر، چھوٹی چھوٹی اشیاء بنادیں۔

مثلا: ایک چھوٹی سی گاڑی، ایک چھوٹی سی عینک وغیرہ

کیاآپ اس بات کایقین کریں گے؟؟؟؟؟؟

ہرگز نہیں !!!!!

کیونکہ مقناطیس میں، صرف لوہے کے ٹکڑوں کو کھینچنے کی صلاحیت ہے، اشیاء بنانے کی صلاحیت نہیں ہے۔

یہی مثال ان باقی، قوتوں کی ہے، جو سائنسدان بتاتے ہیں، ان میں، اشیاء بنانے کی کوئ صلاحیت نہیں ہے۔

پھر تمام اشیاء کو کس نے پیدا کیا؟؟؟؟؟؟؟؟؟

وہ اللہ رب العزت کی بابرکت ذات ہے۔

ذات باری تعالی کی ایک اور دلیل ملاحظہ کیجیئے

قرآن میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں((قل ھوالذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار والافدہ قلیلاماتشکرون))الملک ۲۳#

کہہ دیجیئے کہ وہی(اللہ) ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔

آنکھ، کان اور دل، اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں۔

کیا آپ نے کبھی ٹیپ ریکارڈر دیکھا ہے؟؟؟؟؟؟

ٹیپ ریکارڈر، آواز کو سننے، اور آواز کو محفوظ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آواز کو سننے کے لیے، آواز کا محفوظ ہونا ضروری ہے۔

آواز کو محفوظ کرنے کے لیے، کیسٹ کا ہونا ضروری ہے۔

اگر ٹیپ ریکارڈر میں، کیسٹ نہ ہو تو، آپ لاکھ آواز محفوظ (ریکارڈ) کریں، آواز محفوظ نہ ہو گی ۔

آواز کو محفوظ کرنے کے لیے، اسپیکر کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

اگر اسپیکر صحیح نہ ہوں تو، آپ لاکھ آواز محفوظ (ریکارڈ) کریں، آواز محفوظ نہ ہو گی ۔

آواز کو محفوظ کرنے کے لیے، ریکارڈ (لال رنگ کا) بٹن دبانا ضروری ہے۔

اگر ریکارڈ (لال رنگ کا) بٹن، نہیں دبائیں گے تو، آپ لاکھ آواز محفوظ (ریکارڈ) کریں، آواز محفوظ نہ ہو گی ۔ اسی طرح اب آواز، سننے کی باری ہے۔

آواز کو سننے کے لیے، کیسٹ کا ہونا ضروری ہے۔

اگر ٹیپ ریکارڈر میں، کیسٹ نہ ہو تو، آپ لاکھ آواز سنیں، آواز سنائی نہ دے گی۔

اسی طرح، آواز کو سننے کے لیے، اسپیکر کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

اگر اسپیکر صحیح نہ ہوں تو، آپ لاکھ آواز سنیں، آواز سنائی نہ دے گی۔

کا) بٹن دبانا ضروری ہے۔play) اسی طرح، آواز کو سننے کے لیے، پلے

کا) بٹن، نہیں دبائیں گے تو، آپ لاکھ آواز سنیں، آواز سنائی نہ دے گی۔play) اگر پلے

یہ تمام اقدامات، آواز کو سننے کے لیے، کیے گیے ہیں۔

اگر آپ سے یہ کہا جاے، کہ نہ صرف ٹیپ ریکارڈر، کیسٹ، اسپیکر خود بخود بن جائیں، بلکہ آواز کا محفوظ کرنا، اور سننا بھی خود بخود ہو جائیں، (play بھی خود بخود ہو جائیں یعنی (ریکارڈ اور پلے

کیا آپ اس بات کا یقین کریں گے ؟؟؟؟؟؟؟؟؟

!!!!!!! نہیں، ہر گز نہیں

تو کیا آپ نے اپنے، اس ٹیپ ریکارڈر یعنی کان کو دیکھا ہے، جو آواز محفوظ کرتا ہے، اور سناتا ہے؟؟؟؟؟؟؟

کیا ہمارے کان کو آواز محفوظ کرنے کے لیے، کیسٹ کی کوئی ضرورت نہیں؟؟؟؟

کیا ہمارے کان کو آواز محفوظ کرنے کے لیے، اسپیکر کی کوئی ضرورت نہیں؟؟؟؟

کیا ہمارے کان کو آواز محفوظ کرنے کے لیے، ریکارڈ کا بٹن دبانے کی، کوئی ضرورت نہیں؟؟؟؟

کیا ہمارے کان کو آواز سنانے کے لیے، کیسٹ کی کوئی ضرورت نہیں؟؟؟؟

کیا ہمارے کان کو آواز سنانے کے لیے، اسپیکر کی کوئی ضرورت نہیں؟؟؟؟

کیا ہمارے کان کو آواز سنانے کے لیے، پلے (play کا بٹن) دبانے کی، کوئی ضرورت نہیں؟؟؟؟

کیا انسانی ٹیپ ریکارڈر، یعنی کان خود بخود بنا ہے، یا اسے کسی ذات نے بنایا ہے؟؟؟؟؟؟؟

بے شک وہ اللہ رب العزت کی بابرکت ذات ہے، جس نے انسان کو بنایا، اور اسکی آنکھ، کان اور دل بنایا۔

قرآن میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں((قل ھو الذی انشاکم و جعل لکم السمع والابصار والافدہ قلیلاما تشکرون)) الملک
۲۳#

کہہ دیجیئے کہ وہی (اللہ) ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔

ملحدین-سوال گندم..جواب چنا

====================

آپ مجھ سے سوال پوچھیں کہ سامنے کھڑی گاڑی کس نے بنائی؟ اور میں آپ کو جواب دوں کہ دراصل پہلے انجن بنا . پھر اس پر گاڑی کی باڈی سجای گئی اور پھر اس میں پہیئے شیشے لگا کر اسکی تزئین کی گئی

اس جواب پر ممکن ہے آپ مجھیں ناگواری سے گھوریں ضرور، کہ بھائی سیدھا سا سوال تھا کہ گاڑی کس نے بنائی،. جواب دے دینا تھا کہ ٹویوٹا نے..بات سمجھ آجاتی. یہ اتنی لمبی اور غیر متعلق تفصیل بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ گاڑی 'کیسے' بنی؟ یا اس میں کیا کیا اجزاء استعمال ہوئے؟ یہ تو سوال ہی نہ تھا. لہٰذا پوچھنے والا جواب سے محروم ہی رہے گا.

آپ مجھ سے دریافت کریں کہ تاج محل کس نے تعمیر کیا؟ اور میں پروفیسر انداز میں یہ جواب دینے لگوں کہ اسکی. تعمیر میں پہلے اینٹیں لگائی گئیں، پھر کھڑکیاں دروازے بنے، پھر رنگ وروغن ہوا اور آخر میں باہر کا چبوترا بنایا گیا

یقیناً آپ کو میرے اس احمقانہ جواب پر شدید کوفت ہو گی. آپ نے تو آسان سا سوال پوچھا تھا کہ تاج محل کس نے. بنوایا یا بنایا؟ میرا جواب ہونا چاہیئے تھا کہ مغل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنے کاریگروں سے اسے تعمیر کروایا تھا. بات مکمل ہو جاتی. اس تقریر کی قطعی کوئی حاجت نہ تھی کہ اسکی تعمیر میں کون سا کام پہلے اور کون سا بعد میں ہوا؟ اس نامناسب تفصیل سے یہی ہوا کہ سوال جوں کا توں باقی رہا.

ملحدین کا حال بھی کچھ اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے. آپ ان سے پوچھیں کہ اس باشعور انسان کو کس نے تخلیق کیا؟ یہ. فوراً ارتقاء سمیت دس نظریات پیش کر دیں گے کہ تخلیق کا عمل کن مراحل سے گزرا. انہیں کوئی عقل دلائے کہ

عقلمندوں! انسان کی تخلیق کے مراحل جو بھی رہے ہوں، سوال یہ نہیں ہے. سوال یہ ہے کہ تخلیق 'کس' نے کی؟

آپ ان سے دریافت کریں کہ اس عظیم کائنات کو ایسے بہترین نظم کے ساتھ کس نے پیدا کیا؟ اور یہ جواب میں. آپ کو بگ بینگ سمیت پچاس سائنسی تھیوریاں پیش کرنے لگیں گے کہ کائنات کی تخلیق میں کون کون سے مراحل گزرے ہیں؟ انہیں کوئی سمجھائے کہ زہین فلسفیوں سوال یہ نہیں ہے. تخلیق کائنات میں کتنا ہی وقت لگا ہو یا کتنے ہے مراحل گزرے ہوں. سوال یہ ہے کہ کون ہے جس نے بے جان بے شعور مادہ سے اس پر ہیبت کائنات کو تخلیق کر دیا. اسمیں بے مثال نظم اور بے نظیر توازن پیدا کر دیا؟

.

.. ہم پوچھ رہے ہیں کہ 'کس' نے بنایا؟؟

.. آپ فرما رہے ہیں کہ 'کیسے' بنا؟؟

.. سوال ہمارا گندم ہے

.. جواب آپ کا چنا ہے

ہم جانتے ہیں کہ آج اس بیوقوفانہ روش میں ڈاکن سے ہاکنگ تک سب شامل ہیں. مگر ہوش کے ناخن لو اور حقیقت کو. تسلیم کرو. سائنس کو ملحدین کی جاگیر سمجھنا چھوڑ دو. آپ کی کلاسیکل فزکس کا موجد 'آئزک نیوٹن' ایک کٹر مذہبی انسان تھا، آپ کی ماڈرن فزکس جس پر آج فخر کرتے ہو اس کا بانی 'البرٹ آئین اسٹائن' خدا کا ماننے والا انسان تھا، کوانٹم مکینکس جسے تم مستقبل کی سائنس مانتے ہو اس کی ابتدا کرنے والا ایک خدا پرست شخص 'میکس پلانک' تھا. تو حضرت اس نشہ سے نکلو، یہ جان لو کہ سائنسدانوں اور دیگر ہر شعبہ کے ماہر کی عزت اپنی جگہ ضروری ہے مگر ہر فن

اور علم کی اپنی حدود متعین ہیں. کوئی انسانی علم اپنی حدود سے تجاوز نہیں کر سکتا. سائنس مادی علوم سے آگے نہیں دیکھ سکتی. مادہ کہاں سے وجود میں آیا؟ یا توانائی کون تخلیق کر گیا؟ یا ایک بے جان مادہ کے ڈھیر سے جیتا جاگتا باشعور انسان کون نکال لایا؟ یہ اور ایسے بیشمار سوالوں کے سامنے مادی علوم کے پر جلنے لگتے ہیں. سائنس کا کام ہے یہ بتانا کہ کوئی مخلوق 'کیسے' تخلیق ہوئی؟ مگر 'کیوں' ہوئی اور 'کس نے' اسے تخلیق کیا؟ یہ سوالات اس کی حدود سے باہر ہیں. اس کے لئے لا محالہ وحی کی جانب ہی دیکھنا ہو گا.

اپنی اور اپنے علم کی حدود کو پہچانو، یہ کیسی حماقت ہے کہ ایک چمچہ خود کو پلیٹ کہے، ایک بکری.. خود کو اونٹ سمجھنے لگے، ایک اونٹ خود کو انسان گردانے اور ایک انسان خدائی کا دعویٰ کرنے لگے. اپنے آپ کو پہچاننے میں عافیت ہے. خود کو پہچان کر نکھارنے کی کوشش عقلمندی ہے.